رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۳۳
ہارمنی
مجلسی
جسمانی
ذہنی
علمی
روحانی
اِندر
جلد دوم
مارچ ۱۹۰۷ء
نمبر ۳
فہرست مضامین
صفحہ
ایرالٹی میڈیٹم ---- ۱۲۹
آریہ سماج پر سرسری نظر -- ۱۴۵
قبرستان و شمشان --- ۱۵۶
معمولی باتیں ---- ۱۶۴
وکیل حیوانات ---- ۱۶۸
بلائنڈ مینز بف ---- ۱۷۴
وید وکت تعلیم کا اسلام پر اثر ۱۷۷
کچکول ---- ۱۸۱
ایڈیٹر - دھرم پال - بی - اے
آریہ بھون - لاہور

قیمت سالانہ ۲ روپے ۸ آنے مع محصول ڈاک
ممالک غیر ۴ روپے ۸ آنے مع محصول ڈاک

# اِندر کے متعلق

۱- اندر ہر ایک ماہ کی دس تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ جو اصحاب پہلی یا دوسری تاریخ کو ہی یہ شکایت لکھ دیتے ہیں۔ کہ کیا وجہ اندر ابھی تک نہیں ملا۔ اُن کو دس تاریخ یاد رکھنی چاہیئے +

۲- تبدیلیئے پتہ کی اطلاع کے ساتھ چٹ کا نمبر ضرور لکھنا چاہیئے +

۳- بعض اصحاب نمبر ۲۳۵ کو ہی چٹ نمبر لکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سالہ کا رجسٹرڈ نمبر ہے +

۴- پرچہ کے گم ہونے کی اطلاع اُسی ماہ میں آنی چاہیئے نہ کہ دو ڈیڑھ ماہ بعد +

۵- اِندر جنوری سنہ ۱۹۰۷ء دوسرے سال کی مسافت طے کر رہا ہے۔ بعض اصحاب اِندر کی پچھلی جلدیں طلب کر رہے ہیں۔ اور کئی نئے خریدار جنوری سنہ ۱۹۰۶ء سے خریدار بننے کے خواہشمند ہیں۔ اُن کی آگاہی کے لئے اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ مئی اور اگست کے نمبر بالکل نہیں رہے بقیہ مہینوں کے نمبر ۲ روپے فی جلد کے حساب سے مل سکتے ہیں +

۶ جو گراہک اِندر کی فائل نہیں رکھتے۔ اگر وہ مئی اور اگست کے پرانے پرچے واپس کرنا چاہیں۔ تو ۴ آنے فی پرچہ کے حساب سے خریدے جا سکتے ہیں اُنہیں چاہیئے کہ اس امر کی نسبت مینجر سے خط و کتابت کریں +

۷- کئی وجوہات کی بنا پر یہ فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ آئندہ افریقہ نواسی بھائیوں کی خدمت میں بلا وصول پیشگی قیمت "اِندر" جاری نہیں کیا جائیگا +

مارچ ۱۹۰۷ء

## میرا الٹی میٹم

میں آج صیغہ واحد متکلم کا استعمال اس لئے نہیں کرنے لگا ہوں۔ کہ میں اپنی شخصیت کو کچھ اور سمجھنے لگ گیا ہوں۔ نہیں۔ بلکہ اس لئے۔ کہ میں آج بطور سائل کے پیش ہوتا ہوں۔ سائل کو یہ بات زیب نہیں دیتی۔ کہ وہ صیغہ جمع متکلم میں سوال کرے۔ خاص کر جبکہ سوال بھی بڑا نازک سوال ہو۔ اور ایک ایسا سوال ہو۔ کہ جس کے ہاں یا نہ میں جواب ملنے کا اثر نہ صرف سائل پر ہی پڑنے والا ہو۔ بلکہ ہزاروں لاکھوں انسانوں کی زندگی اور موت کا سوال ہو۔ بلکہ ایک سوسائٹی کی آئندہ بہتری یا بدتری کا پہلو بھی ساتھ لئے ہوئے ہو۔ ایک ایسے اہم سوال کے لئے "الٹی میٹم" کا شبد استعمال کرنا گو سائل کے لئے نامناسب معلوم ہوتا ہو۔ مگر دنیا میں قاعدہ ہی یہی چلا آتا ہے۔ کہ اگر کسی بات کا وہ ٹھیک فیصلہ کرنا ہو۔ اور لیت و لعل سے پیچھا

چھڑانا منظور ہو۔ تو وہاں الٹی میٹم سے ہی کام چلا کرتا ہے۔ میں آج جس بارے میں الٹی میٹم پیش کرنے لگا ہوں۔ وہ ہماری اخباری دنیا کا اس قسم کا الٹی میٹم نہیں ہے۔ کہ اگر اس قدر خریدار بہم نہیں پہنچاؤ گے۔ تو میں ایڈیٹری سے ہاتھ اُٹھا لونگا۔ نہیں۔ بلکہ میرا الٹی میٹم اس گداگری سے بڑھکر کچھ اور معنی رکھتا ہے۔ میں اپنا الٹی میٹم آریہ سماج کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ میرا الٹی میٹم آریہ پرتی ندھی سبھاؤں خصوصاً آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب کے نام ہے۔ میرا الٹی میٹم آریہ پرتی ندھی سبھا کی معزز انترنگ سبھا کے نام ہے۔ مگر یہ کیسا الٹی میٹم ہے؟ مجھے اس بات کے بتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ کہ میں نے "راندر" کے بعض گذشتہ پرچوں میں چند ایک باتوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ جن میں سے ایک دو مضامین اس تحریک کے بارے میں تھے۔ جس کو آریہ سماج میں "شدھی" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ میں نے "بنیادی پتھر" کا عنوان دیتے ہوئے اس بارے میں ایک سکیم اکتوبر ۱۹۰۶ء کے پرچہ میں پیش کی تھی۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ جب تک اُن لوگوں کو جو کہ غیر ہندوؤں کے طبقہ سے یا ہندوؤں کے نیچے طبقہ سے آریہ سماج میں بھرتی ہو رہے ہیں۔ کرم دھرم کی تعلیم نہیں دی جاویگی۔ تب تک وہ لوگ سوسائٹی کے لئے کچھ بھی مفید ثابت نہیں ہونگے۔ بلکہ اُلٹا نقصان دہ ثابت ہونگے۔ اور سوسائٹی بدنام ہو کر گل سڑ جائیگی۔ ان لوگوں میں کیونکر کام کرنا چاہئے۔ اور ان کو کس طریقہ پر اور کیا کیا تعلیم دینی چاہئے۔ اس کا مفصل ذکر میں اکتوبر کے پرچہ میں کر چکا ہوں۔ گو اکتوبر اور نومبر ۱۹۰۶ء کے پرچوں سے یہ بات مترشح ہوتی ہے۔ کہ اس کام کے لئے ایک علٰحدہ سبھا قائم کی جاوے۔ جس کا گو آریہ سماج کے ساتھ بالواسطہ یا بلاواسطہ کچھ نہ کچھ تعلق ضرور رکھا جاوے لیکن یہ ڈیپارٹمنٹ بالکل ہی علٰحدہ کر دیا جاوے۔ مگر یہ دیکھ کر کہ آریہ سماج کے

دائرہ میں دوگروہ پیدا کردئے ہیں۔ ایک تو وہ جو اس بات پر زور دے رہے ہیں۔ کہ آریہ سماج کے ساتھ ہرگز کسی قسم کا تعلق نہ رکھا جاوے۔ بلکہ اس کام کو بالکل علیحدہ طور پر شروع کیا جاوے۔ دوسرے وہ جو اس بات پر زور دے رہے ہیں۔ کہ آریہ سماج سے علیحدہ ہوکر کام کرنے سے ایک نئی پارٹی بن جاویگی۔ اور ممکن ہے اس سے سماج کو نقصان پہنچے۔ اس لئے جو کچھ کرنا ہو۔ آریہ سماج کے اندر رہتے ہوئے اور اُس کے ساتھ تعلق رکھتے ہوئے ہی کرنا چاہئیے۔ میں دونوں فریقوں کی اس جدوجہد کو دیکھ کر آج یہ الٹی میٹم پیش کرنے کے لئے مجبور ہوا ہوں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ دونوں گروہوں کے جوش کا مطالعہ میرے لئے ایک خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ گروہ ثانی چونکہ زیادہ تر نوجوانوں کو لئے ہوئے ہے۔ اس لئے قدرتاً اس کا جوش بھی زیادہ ہے۔ اس گروہ کے نزدیک آریہ سماج یا آریہ پرتی ندھی سبھا ایک کوئیں کی مانند ہے۔ کہ جس میں جو چیز پھینک دی گئی۔ گوگل ہوگئی۔ اسی بنا پر اس گروہ کی طرف سے مجھے وقتاً فوقتاً اس بات کے لئے سرزنش بھی ہوتی رہتی ہے۔ کہ میں نے اس کام کو پرتی ندھی سبھا کے حوالہ کیوں کر دیا۔ مثال کے طور پر میں اس گروہ کے اصحاب سے وصول شدہ پتروں میں سے ایک چٹھی کا خلاصہ دیتا ہوں :-

مظفر نگر۔ مورخہ ۱۳۔ جنوری ۱۹۰۷ء

شریمان مانیہ ور برہمچاری دھرم پال جی۔ نمستے۔

آپ کا اخبار بابت ماہ جنوری ۱۹۰۷ء کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاید آپ نے اس سکیم کی تکمیل پرتی ندھی سبھاؤں کے سپرد کر دی ہے۔ مجھے بہت افسوس ہوتا ہے۔ کہ اس کام کو پرتی ندھی سبھائیں ہرگز پورا نہیں کرسکتیں۔ یا یوں کہئے۔ کہ اُن کے متعلق کاروبار بہت زیادہ ہیں۔ یا یہ کہ وہ اس کام کو عملی طور پر کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ میرے خیال ناقص میں

تو یہی بات آتی ہے ۔ کہ آپ اس بوجھ کو اپنے ذمہ لیجئے ۔ اور خاص طور سے اس کے لئے کوشش کیجئے ۔ یہ امید کی جاتی ہے ۔ کہ بہت آدمی اس کام میں حصہ لینے کو تیار ہیں ۔ رہا روپیہ کا سوال اگر آپ پنجاب کے اس سرے سے ممالک متحدہ کے اخیر حصہ تک کم سے کم ہر ایک ضلع کی سماج میں اور جہاں تک ممکن ہو دوسری سماجوں میں بھی ایک ایک مرتبہ دورہ کریں ۔ تو بجائے بارہ ہزار کے چوبیس ہزار روپیہ کا آجانا کوئی مشکل بات نہیں ہے ۔ یہ ممکن ہے کہ آپ کو آدمی کام کرنے والے بہ نسبت روپیہ کے کم ملینگے ۔ روپیہ کی ہرگز کمی نہیں رہ سکتی ۔ ...... آپ کو تمام کاموں کو چھوڑ کر اس وقت اس کام کو بہت جلد شروع کردینا چاہئے ۔ پھر آپ کے ساتھی بہت ہیں ۔ کیونکہ آپ کے کام کا دارومدار سچ پر ہے ۔ اور فی الحقیقت اس کام کے جاری کرنے کی اس وقت سخت ضرورت ہے ۔ اس کام کے شروع کرنے کے لئے کسی مدبر ۔ نیک ۔ عامل اور بے غرض آدمی کی ضرورت ہے ۔ کیونکہ معمولی آدمی کو نہ تو کوئی روپیہ دے سکتا ہے ۔ اور نہ اس کی بات کا کچھ اثر ہو سکتا ہے ۔ لاکھوں آتمائیں صرف اس عمل کی منتظر ہیں ۔ کہ کب یہ شروع ہو ۔ اور وہ ویدک دھرم کو قبول کریں یہاں آپ کے تشریف لانے کی پرتی ندھی سبھا کے جلسہ پر امید تھی ۔ پنڈت امراؤ سنگھ رڑکی نواسی حال مقیم سہارنپور بھی آپ سے ملنے کی بہت ابھلاشا رکھتے تھے ۔ انہوں نے ایک فاضلانہ لیکچر محض اسی غرض کو ظاہر کرنے کے لئے دیا تھا ۔ کہ "اِندر" اخبار کے مضمون پر آریہ سماجوں میں کیوں دھیان نہیں دیا جاتا ۔ کیوں اس مضمون کو انترنگ سبھاؤں میں پیش کر کے منظوری پر وچار نہیں کیا جاتا ۔ مگر آپ خود سمجھتے ہیں ۔ کہ آریہ سماجیں اس بات پر کبھی غور نہیں کرسکتیں ۔ کیونکہ اُن میں عام طور سے زیادہ حصہ خود غرض آدمیوں کا شامل ہے ۔ ......... اخیر میں اُنہوں نے فرمایا ۔ کہ میں دیکھنا چاہتا ہوں ۔ کہ کس قدر آدمی اس میں شریک

ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ باوجود بہت قلیل حاضری ہونے کے ۲۶ آدمیوں نے نام لکھوایا۔ اور اس میں دل و جان سے شریک ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ ......... اگر آپ نے اس کام کو شروع کرنے کے لئے تحریک کی ہے تو اس شبھ کام کو ضرور شروع کر ہی دیجئے۔ کیونکہ اس کو ادھورا چھوڑنے یا کسی اور کے سپرد کرنے میں بڑی دقت پیدا ہو گی۔ اور لاکھوں آدمیوں کی ابھلاشا من کی من میں ہی رہ جائیگی ...... مجھے زیادہ ضرورت اس پتر کے لکھنے کی اس وجہ سے پڑی۔ کہ اخبار ماہ جنوری کے دیکھنے سے بڑی مایوسی پیدا ہوئی۔ آپ اس کام کو پرتی ندھی سبھا کے ہاتھ میں ہرگز نہ دیجئے۔ ورنہ کبھی پورا ہونے کی امید نہیں کی جا سکتی۔ ........ امید ہے۔ کہ آپ اس قسم کے بہت سے آدمیوں کی پرارتھنا پر وچار کرینگے۔ اور سوئیکار کرینگے +

ویدک دھرم کا سیوک " دھوم سنگھ مظفرنگر "

یہ بہت ہی نرم پتر ہے۔ جو میں نے پیش کیا ہے۔ دوسرا گروہ یہ چاہتا ہے۔ کہ اس کام کو پرتی ندھی سبھا کے مطیع ہی شروع کرنا چاہئے۔ مگر باوجود اس رائے کے اس گروہ کے آدمیوں کا بھی پرتی ندھی سبھا پر بھروسا نہیں معلوم ہوتا۔ مثال کے طور پر اس گروہ کی تحریروں میں سے ایک پتر کا مختصر خلاصہ درج کرتا ہوں :۔

از پٹیالہ۔ مورخہ ۲۵۔ جنوری ۱۹۰۷ء

پریہ ور مہاشہ جی۔ نمستے۔

اندر کے مضامین سے پبلک میں ہر خاص و عام میں بہت اچھا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ اور آپ کی اکتوبر کی سکیم سے ہر کس و ناکس کی ہمدردی تھی۔ لیکن آپ کے دسمبر کے پرچہ سے جوش کچھ مدھم سا پڑ گیا ہے۔ اور اب بھی وہ جوش کم ہوتا جاتا ہے ...... آپ کے پہلے سب مضامین صاف

طور پر یہی ظاہر کر رہے تھے۔ کہ آریہ سماج سے علیحدہ کچھ کام کیا جاویگا۔ نومبر کے پرچہ میں خاص طور پر ذکر تھا...... غرض ہر شخص اسی نتیجہ پر پہنچا تھا۔ اب پبلک میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے۔ کہ آپ کے خیالات اپنی سکیم سے بدل گئے ہیں...... میری ذاتی رائے بھی یہی ہے۔ کہ پہلے اس کام کو آریہ سماج کے ماتحت کر کے تجربتاً دیکھ لیا جاوے۔ اگر کامیابی ہو جاوے تو زہے قسمت۔ اور یہ اچھا کیا۔ کہ پرتی ندھی سبھا میں پیش کر دی۔ لیکن ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھیں۔ جو بہت ضروری ہے۔ کہ وہ سکیم کہیں کاغذ پر ہی نہ رہ جاوے۔ اور وعدوں میں کہیں برس ختم نہ ہو جائیں۔ پرتی ندھی سبھا میں یہی نہیں بلکہ اور پچاسوں معاملے یونہی زیر تجویز چلے آتے ہیں۔ غور کرنے اور تجویز کرنے کے لئے کمیٹی تو بن جاتی ہے۔ بس آگے ختم۔ اس لئے آپ خاص طور پر تاکید و جلدی کر کے اس کا فیصلہ کروا لیجئے۔ اگر وہ اس کام کو کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ تو آپ خود اس کام کو شروع کریں۔ یہ کام بہت جلدی کرنے کا ہے۔ اور بہت ضروری ہے۔ آریہ سماج بہت کمزور ہو گئی ہے۔ اور ہوتی جاتی ہے۔ شاید اسی طرح ہی کچھ جان پڑ جاوے ٭

آپ کا صادق "مراری لال"

یہ دو پتر ایسے ہیں۔ جو بہت ہی نرم الفاظ میں لکھے گئے ہیں مگر بعض نے اس قدر برافروختہ ہو کر لکھا ہے۔ کہ گویا میں نے اُن کے نزدیک ایک بڑا بھاری جرم کیا ہے۔ جو ہرگز ہرگز قابل معافی نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک میں نے اس سکیم کو آریہ پرتی ندھی سبھا کے پیش کر کے گویا کوئیں میں پھینک دیا ہے۔ آریہ پرتی ندھی سبھا کے لئے یہ ایک بڑی مزیدار سند ہے۔ مگر میرے خیال میں اگر آریہ پرتی ندھی سبھا اپنی باقاعدہ اور سلسلہ وار بیقاعدگی کی وجہ سے ہی "کوئیں" کی سند کی مستحق سمجھی جاتی ہے۔ تو بھی میں کہونگا۔ کہ کسی چیز کو محفوظ کرنے کے لئے یہ ایک عمدہ "کواں" ہے۔

کیونکہ میں جانتا ہوں کہ نادر گردی۔ مرہٹہ گردی اور سکھا شاہی کے ایام میں جبکہ لوگوں کے جان و مال رات دن معرض خطر میں رہتے تھے۔ اور لوگ مرہٹوں یا سکھوں یا جاٹوں کو آتے دیکھتے تھے۔ تو وہ اپنا تمام مال و متاع کوؤں میں پھینک کر بھاگ جاتے تھے۔ جہاں وہ چوروں وغیرہ کے خطرہ سے محفوظ رہتا تھا۔ چنانچہ بعض بعض مقامات پر اس قسم کا مال اب تک برآمد ہوتا رہتا ہے۔ "کنواں" ایک بڑا بھاری امین یا محافظ خزانہ سمجھنا چاہئیے۔ پس اگر میں فریق اول کے جوش کی تعریف کرتا ہوا فریق ثانی کی تحریک کی تائید میں اس تجویز کو پرتی ندھی سبھا میں پیش کرتا ہوں۔ تو اس میں یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہئے کہ اگر پرتی ندھی سبھا نے اس بارے میں کچھ بھی نہ کیا۔ تو ہم منہ تاکتے رہ جائینگے نہیں۔ بلکہ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ کہ اگر پرتی ندھی سبھا نے غیر معمولی لیت و لعل سے کام لیا۔ یا ہم اس کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے۔ تو پھر میرے خیال میں فریق اوّل کو پورا اختیار ہوگا۔ کہ وہ سبھا یا سماج سے بالکل یا کسی خاص حد تک علیحدگی اختیار کر کے اس کام کو شروع کر دے۔ اس صورت میں فریق ثانی کو ہرگز ہرگز اس بات کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ کہ وہ ایک علیحدہ پارٹی بننے یا سماج سے علیحدگی اختیار کرنے پر واویلا مچاوے۔ میرے خیال میں فریق اوّل کو اس وقت بالکل صبر اور بردباری سے کام لینا چاہئیے۔ اور جب تک سبھا کے ساتھ کوئی فیصلہ نہ ہو جائے۔ تب تک بالکل خاموش رہنا چاہئیے۔ اجمیر کو جاتے ہوئے غالباً دسمبر کے اخیر میں میں نے لالہ رام کرشن جی پردھان آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب کی سیوا میں اس سکیم کے بارے میں ایک مختصر سا پتر لکھا تھا۔ اور اُن سے التماس کی تھی۔ کہ وہ اس مضمون کو انترنگ سبھا میں پیش کر دیں۔ چنانچہ یہ مضمون ۲۰۔ جنوری ۱۹۰۷ء کی انترنگ سبھا میں پیش کیا گیا۔ مجھے سبھا کے منتری مہاشہ کی طرف سے جو کچھ جواب ملا ہے میں اس کو یہاں نقل کر دیتا ہوں۔

نمبر ۲۰۷۹

از دفتر آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب - لاہور

شیریمان مانئیہ ور مہاشہ جی - نمستے -

آپ کی سیوا میں نقل رزولیوشن انترنگ سبھا ۲۰ - جنوری بھیج کر نویدن کرتا ہوں - کہ اس کے مطابق تعمیل کر کے جلد کوئی مفصل سکیم لکھ کر روانہ کریں - تاکید ہے -

"مہاشہ دھرم پال جی - بی - اے کا پتر دربارہ سکیم شدھی پیش ہوا - چونکہ کوئی سکیم پتر کے ساتھ نہیں ہے جس پر سبھا وچار کر سکے - اس لئے ان کو لکھ دیا جاوے - کہ ایک مفصل اور قابل عمل درآمد سکیم بنا کر بھیجدیں - تاکہ اس پر وچار کیا جاوے - کثرت رائے سے پاس ہوا"

آپ کا شبھ چنتک

(دستخط) کدار ناتھ تھاپر

منتری سبھا

گو میں نے اپنے پتر میں اکتوبر کے پرچہ کا حوالہ بھی دیدیا تھا - اور غالباً انترنگ سبھا کا کوئی ہی ایسا ممبر ہوگا - جس نے اس سکیم کو نہ پڑھا ہو - مگر چونکہ میں نے اس پتر کے ساتھ یہ سکیم "نتھی" کر کے نہیں بھیجی تھی - اس لئے انترنگ سبھا کے معزز سبھا سدوں کا مذکورہ بالا جواب بالکل مناسب ہے - اس پتر کے جواب میں میں نے جو سکیم دوبارہ منتری مہاشہ کے نام روانہ کی ہے - اس کو ناظرین کی آگاہی کے لئے یہاں درج کر دیتا ہوں - تاکہ اگر آریہ پرتی ندھی سبھا اس سے انکار کر دے - اور اس سے علیحدہ ہو کر کام شروع کیا جاوے - تو کسی مہاشہ کو یہ شکایت کرنے کا موقع نہ رہے - کہ ہم نے معزز سبھا کو چھوڑ کر علیحدہ کھچڑی کیوں پکائی وغیرہ وغیرہ +

از گوروکل کانگڑی۔ مورخہ ۲۰۔ فروری ۱۹۰۷ء

شریمان منتری آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب۔ لاہور

نمستے۔

آپ کا کرپا پتر نمبر ۲۰۷۹ مورخہ ۲۳۔ جنوری ۱۹۰۷ء پہنچا۔ جواب میں التماس ہے۔ کہ شدھی کے بارے میں میں نے جو سکیم پیش کی ہے۔ وہ رسالہ "اندر" بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۷ء میں مفصل درج ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ انترنگ سبھا کے معزز سبھا سدوں کو اگر وہ مکمل نہیں۔ تو کم از کم اس کا خلاصہ تو ضرور معلوم تھا۔ مگر چونکہ انترنگ سبھا کے معزز سبھا سدوں نے مجھ سے اس کی تفصیل علیحدہ طور پر طلب کی ہے۔ اس لئے میں اپنی تچھ بدھی کے مطابق "شدھی" کے کام کے بارے میں اپنی اُسی سکیم کو کسی قدر معمولی ردوبدل کے بعد از سر نو پیش کرتا ہوں۔

ا۔ مجھے یہاں پر مفصل بحث کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ مفصل مضامین میں "اندر" میں لکھ چکا ہوں۔ میں اس وقت صرف اتنا ہی مختصر طور پر کہ دینا چاہتا ہوں۔ کہ آریہ سماج نے میگھوں۔ اوڈوں۔ رہتیوں کو بظاہر تو "شدھ" کر لیا۔ مگر اُن کی اندرونی اور بیرونی "شدھی" کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ اس سے میری مراد یہ ہے۔ کہ اُن لوگوں کو کرم۔ دھرم کی تعلیم دینے یا اُن کو سوسائٹی کا مفید ممبر بنانے کے لئے آریہ سماج کو جو کچھ کرنا چاہئے تھا۔ وہ نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ لوگ آریہ سماج میں آکر بھی بدستور سابق کرم۔ دھرم سے بالکل بے بہرہ پڑے ہیں۔ اور سوسائٹی کے لئے ایک "مردہ بوجھ" ثابت ہو رہے ہیں۔ اس سے نہ تو اُن لوگوں کا کچھ بھلا ہو سکتا ہے۔ نہ ہی آریہ سماج کو اُن کے وجود سے کچھ تقویت مل سکتی ہے۔ اُن کے اس طرح جہالت اور تاریکی میں پڑا رہنے سے آریہ سماج کو سخت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ بلکہ پہنچ رہا ہے۔ میرے خیال میں یہ ضروری ہے۔ کہ

جتنی جلدی ممکن ہو۔ ان لوگوں کی تعلیم وتربیت کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ وہ سوسائٹی کے مفید ممبر بن سکیں *

۲۔ سوسائٹی کا مفید ممبر بنانے کے لئے اُن کے لئے ان باتوں کا انتظام ہونا ضروری ہے :۔

ا۔ اُن کو اور اُن کے بچوں کو پرائمری تعلیم دینا۔

ب۔ ان کو اور اُن کے بچوں کو ویدک دھرم کے موٹے موٹے اصول سمجھانا اور اُن پر عمل کروانا۔

ج۔ ان کو حتی المقدور پنچ مہایگیہ کا عادی بنانا۔

د۔ اُن کے تمام سنسکار ویدک ریتی سے کروانا۔

ہ۔ اُن کے رہن۔ سہن۔ کھان۔ پان۔ پوشاک آدی کے تمام طریقوں کو "آریوں" کے ڈھنگ کا بنانا۔

و۔ اُن میں محنت کشی۔ ویدک دھرم سے پریم۔ سداچار وغیرہ کی سپرٹ پھونکنا۔

ز۔ اُن کو موٹی قسم کی صنعت وحرفت کی تعلیم دینا +

۳۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ضرورت ہے۔ کہ ایک کافی تعداد میں ایسے کارکن بہم پہنچائے جائیں۔ جو کہ ان لوگوں میں بطور ٹیچر اور پریچر کے کام کر سکیں۔ جو جو اصحاب اس پہلو میں کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔ پہلے اُن کو اس کام کے لئے تیار کرنے کے لئے ایک سال تک ٹریننگ دی جاوے۔ ان باتوں میں ان کو ٹریننگ ضرور ملنی چاہیئے :۔

ا۔ رشی دیانند کرت ستیارتھ پرکاش۔ سنسکار بدھی۔ ویدبھاش بھومکا آدی پستکوں سے پوری پوری واقفیت۔

ب۔ مختلف مذہبوں کے بارے میں عام واقفیت۔

ج۔ بچوں کو لکھانے۔ پڑھانے کے طریقہ میں مہارت۔

د - موٹی قسم کی صنعت و حرفت کے بارے میں عملی تعلیم -
ایک سال کے کورس میں کم از کم مذکورہ بالا شاخوں میں تیار ہونے والے اپدیشکوں کو ٹریننگ ضرور ملنی چاہئیے - اگر اس درجہ سے بڑھ کر اُن کی ٹریننگ کا انتظام ہو سکے - تو اور بھی اچھا ہے - مگر یہ محض ایک موٹا سا خاکہ ہے - اس پر مزید غور کرنا یا اس پر بالتوضیح بحث کرنا یا عمل درآمد کے لئے قواعد مرتب کرنا اُس سبھا یا سب کمیٹی کا کام ہوگا - جو کہ اس کے انتظام کے لئے مقرر ہوگی ÷

۴ - اب سوال یہ رہ جاتا ہے - کہ اس قسم کے اپدیشک یا ادھیاپک تیار کرنے کے لئے خرچ کا انتظام کیا ہوگا - اس مد میں دو قسم کے کارکن شامل ہونگے - اوّل تو وہ جو اپنی گرہ سے خرچ کر کے ٹریننگ حاصل کرنا - اور بعد ازاں جہاں سبھا کا حکم ہو وہاں کام کرنا چاہتے ہیں - اُن کے خرچ کا بوجھ سبھا کے سر پر مطلق نہیں ہوگا - مگر دوسری قسم کے وہ امیدوار شامل ہونگے - جن کا بوجھ سبھا کو برداشت کرنا پڑیگا - پہلی قسم کے امیدواروں کی تعداد خواہ کتنی ہی ہو - سبھا کو اگر وہ مناسب سمجھے - اُن کے لینے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہئیے - ہاں دوسری قسم کے امیدواروں کے لئے پہلے سال کے لئے کم از کم پچیس وظیفے مہیا کرنے پڑینگے - یا دوسرے الفاظ میں پہلے سال کم از کم پچیس امیدوار لئے جائیں - جن میں سے بیس امیدوار تو ایسے ہوں جن کو دس روپیہ ماہوار کا وظیفہ ایک سال تک جاوے - اور پانچ امیدوار ایسے ہوں - جن کو پندرہ روپیہ ماہوار کا وظیفہ دیا جاوے - گویا ایک ادنےٰ اور ایک اعلےٰ دو کلاسیں کھل جانی چاہئیں - ان دونوں کلاسوں کے امیدواروں کے لئے کون کون سی شرائط لازمی ہونگی - کن کن کو اعلےٰ اور کن کن کو ادنےٰ کلاس میں رکھا جائیگا - اس بات کا فیصلہ اس سبھا یا سب کمیٹی کے ہاتھ میں رہیگا - جو کہ اس کام کے لئے مقرر ہوگی ÷

۵ - اب رہا یہ سوال کہ ان امیدواروں کی ٹرینینگ کے لئے اُستاد کس قسم کے ہونے چاہئیں - میرے خیال میں کام شروع کرنے کے لئے فی الحال دو استاد کافی ہونگے - ایک تو سنسکرت دان دبرڑہ آریہ پنڈت جو سنسکرت کا عالم ہونے کے علاوہ رشی دیانند کرت پستکوں سے بھی بخوبی ماہر ہو - دوم ایک لائق گریجوایٹ - جو ٹرینڈ ہونے کے علاوہ سنسکرت بھی کسی قدر جانتا ہو - اگر سنسکرت نہ جانتا ہو - تو کم از کم اتہاس - گنت - وغیرہ میں تو ضرور ہوشیار ہو - یہ دو استاد تو لازمی ہوں - صنعت و حرفت کی تعلیم کے لئے یا مختلف مذاہب کے بارے میں عام واقفیت بہم پہنچانے کے لئے سبھا کا اختیار ہوگا - کہ جو مناسب انتظام سمجھے کرے *

۶ - اب دیکھنا یہ ہے - کہ کام کو شروع کرنے کے لئے کم از کم کس قدر روپیہ کی ضرورت پڑیگی - یہ تو ایک لازمی امر ہے - کہ اس قسم کی پاٹھ شالا کے لئے چھوٹے موٹے مکان کی ضرورت تو ضرور ہی پڑیگی جس میں ادھیاپک اور کم از کم پچیس ودیارتھیوں کے رہنے کے لئے کافی گنجائش ہو - پس ان تمام اخراجات کو مدنظر رکھتے ہوئے دو سال کے خرچ کا تخمینہ حسب ذیل ہوگا :-

| | روپے آنے پائی |
|---|---|
| ا - ۲۰ وظیفے فی وظیفہ عـہ روپیہ ماہوار | ۲ |
| ب - ۵ وظیفے فی وظیفہ ﻣـہ روپیہ ماہوار | ۷۵ - ۰ - ۰ |
| ج - سنسکرت پنڈت صـہ روپیہ ماہوار | ۵۰ - ۰ - ۰ |
| د - ٹرینڈ گریجوایٹ ۱عـہ روپیہ ماہوار | ۷۰ - ۰ - ۰ |
| ہ - متفرق خرچ ﻣﺼـہ روپیہ ماہوار | ۵۵ - ۰ - ۰ |
| و - خرچ ماہواری | = ۴۵۰ - ۰ - ۰ |
| ز - خرچ دو سال کے لئے | = ۱۰۸۰۰ - ۰ - ۰ |
| ح - مکان بنانے کے لئے ابتدائی اخراجات | = ۴۲۰۰ - ۰ - ۰ |
| ط - پس اس حساب سے دو سال کے لئے کل خرچ | = ۱۵۰۰۰ - ۰ - ۰ |

پاٹھ شالا کے لئے سبھا اس زمین پر جو کہ ہردوار اور کنکھل کے درمیان ملاپا پور میں واقع ہے۔ مکان بنانے کی اجازت دیدے۔ کام کو چلانے کے لئے ۲۰۰ روپیہ میں فی الحال معمولی مکان تیار کیا جا سکتا ہے۔ اور جب تک یہ مکان تیار نہ ہو۔ تب تک کام سبھا کے موجودہ مکان واقع اراضی مذکورہ میں ہی شروع کیا جا سکتا ہے +

۷۔ اب رہی یہ بات کہ اس سکیم کو چلانے کے لئے کس قسم کی سبھا یا سب سبھا یا سب کمیٹی ہونی چاہیئے۔ میں پہلے بھی اپنا خیال ظاہر کر چکا ہوں۔ کہ چونکہ یہ کام تمام آریہ پرتی ندھی سبھاؤں کا مشترکہ کام ہے۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے۔ اس میں تقریباً سب ہی پرانتوں کے چیدہ چیدہ اصحاب رکھے جانے چاہئیں۔ جو کہ اس کام کو پورا کرنے کے لئے بہمہ وجوہ تیار ہوں۔ اور اس میں خاص دلچسپی لیتے ہوں۔ میرے خیال میں مفصلہ ذیل پانچ اصحاب کو اس سبھا کا ممبر بنا کر ان کو اختیار دیا جاوے۔ کہ وہ چار اور ممبر اپنے ساتھ شامل کر لیں:۔

ا۔ لالہ رام کرشن جی پردھان آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب +

ب۔ مہاشہ منشی رام جی چیف سپرنٹنڈنٹ گوروکل کانگڑی +

ج۔ ڈاکٹر سکھدیو جی انچارج ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ گوروکل کانگڑی +

د۔ پنڈت وشنو لال جی ایم۔ اے۔ منصف سنبھل۔ ضلع مراد آباد +

ہ۔ کنور حکم سنگھ جی رئیس آنگائی۔ ضلع متھرا +

ان اصحاب میں سے پہلے تین آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر سکھدیو جی اس کام میں خصوصیت سے اپنی خدمات دینے کے لئے تیار ہیں۔ مہاشہ منشی رام جی سے میں نے پوچھ لیا ہے۔ وہ بھی اس کام میں پوری مدد کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ آخر کے دونوں اصحاب یکت پرانت پرتی ندھی سبھا کے ممبر ہیں۔ پنڈت وشنو لال جی ایم۔ اے

کے ساتھ میری خط و کتابت ہو چکی ہے - وہ اس کام میں بخوبی مدد دینگے -
کنور حکم سنگھ جی اس کام میں خاص دلچسپی لیتے ہیں - مہاشہ منشی رام جی
ذمہ لیتے ہیں - کہ وہ ان کو اس کام کے لئے اور بھی اچھی طرح تیار کر دینگے
یہ پانچوں اصحاب جس جس دوسری پرتی ندھی سبھا سے یا دوسرے
مہاشیوں میں سے جن چار اصحاب کو چاہیں - اس سبھا کا ممبر چُن لیں -
اس سبھا کو اختیار ہوگا - کہ وہ اپنے میں سے جس جس کو چاہے - پردھان
یا منتری چُن لے - میں بذات خود اپنی خدمات اس سبھا کو دینے اور ہر ایک
قسم کی تحریری یا تقریری مدد کرنے کے لئے تیار رہونگا *

۸ - وظیفوں کے بارے میں فی الحال صرف اسی قدر کہہ سکتا ہوں
کہ اس وقت تک ۱۵ - ۱۶ کے قریب وظائف کے لئے پرتگیا پتر میرے
پاس آچکے ہیں - جن میں وعدہ کیا گیا ہے - کہ پرتگیا کرنے والے مہاشہ
کم از کم ایک سال تک دس روپیہ ماہوار کے حساب سے برابر وظیفہ کا
روپیہ بھیجتے رہینگے - چونکہ ابھی تک سب کمیٹی وغیرہ کا فیصلہ نہیں ہوا -
اس لئے وظائف کا روپیہ بھی وصول نہیں کیا گیا - اگر انترنگ سبھا جلدی
اس بات کو پاس کر دے - تو میرا خیال ہے - کہ وظیفوں کی تعداد مقررہ حد
سے بھی زیادہ ہو جائیگی - کیونکہ بات کا فیصلہ نہ ہونے کے باعث میں نے
ابھی کسی کو اس کام کے لئے چندہ ان پر پریرنا بھی نہیں کی - اور نہ ہی خود اس
پہلو میں کچھ کام کیا ہے - علاوہ ازیں اگر سبھا ویدپرچار فنڈ میں سے ۲۴
سو روپیہ سالانہ کی منظوری اس کام کے لئے کر دیا کرے - تو وظائف کی
تعداد کا چالیس پچاس تک پہنچ جانا کچھ بھی بڑی بات نہیں ہے جس
کا مطلب یہ ہوگا - کہ اس پاٹھ شالا میں سے چالیس پچاس اپدیشک سالانہ
تیار ہو سکا کرینگے - پرتی ندھی سبھا پنجاب کے علاوہ دیگر پرانتوں کی پرتی
ندھی سبھائیں بھی اپنے ہاں سے وظائف دیگر اس پاٹھ شالا میں اپدیشک

تیار کر واسکا کرینگی - یہ چھوٹے سے پیمانہ پر شروع کیا ہوا کام کسی دن تمام آریہ سماجوں کے لئے ایک اعلے درجہ کا "دھرم تنسکشک ودیالہ" یا تھیولوجیکل سمینری ہو سکتا ہے ٭

۹ - اُپ سبھا یا سب کمیٹی کی طرف سے پندرہ ہزار روپیہ کے سرمایہ کے لئے جس کی تفصیل اوپر دی گئی ہے - اور جو کہ دو سال کے خرچ کا پیشگی بند وبست ہے - ایک خاص اپیل کی جاوے - اُپ سبھا جہاں مناسب سمجھے - اس روپیہ کو جمع کر واتی چلی جاوے - میرا خیال ہے - کہ اس قدر روپیہ جمع ہو جانا کچھ بھی مشکل نہیں ہے - میں خود اس کی ذمہ واری لینے کے لئے تیار ہوں - بشرطیکہ سبھا اس کام کے لئے ایک اُپ سبھا قائم کر کے جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں - باقاعدہ کام شروع کرنے کی اجازت دیدے ٭

۱۰ - باوجود ان تمام باتوں کے میں اخیر میں اس قدر لکھنے کے بغیر نہیں رہ سکتا - کہ اگر شرومنی آریہ پرتی ندھی سبھا "شدھی" کے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے تیار نہ ہو - یا آپ کی انترنگ سبھا میں کچھ اُلٹ پلٹ فیصلہ ہو - تو آپ مجھے فوراً مطلع کیجئے - تاکہ اس صورت میں میں آریہ پرتی ندھی سبھا سے امید منقطع کر کے اُن بھدر پرشوں کو لے کر اس کام کو شروع کر دوں - جو کہ درمے ودامے اس کام میں سہائتا دینے کے لئے تیار ہیں ٭

۱۱ - مبادا عام خیال کے مطابق میری یہ سکیم پرتی ندھی سبھا میں جا کر انترنگ سبھا میں گت ربود ہو جائے - یا اس کی طرف سے لاپرواہی ظاہر کی جاوے - میں آخری فقرہ لکھ کر اس کو ختم کرتا ہوں - کہ :-

"اگر ماہ مئی ۱۹۰۷ء کے خاتمہ تک سبھا کی طرف سے مجھے کوئی جواب نہ ملا - تو میرا حق ہوگا - کہ میں اپنے ہم خیال اصحاب کو لیکر آریہ پرتی ندھی سبھا سے آزاد کام شروع کر دوں"

آپ کا متر
دھرم پال

میں یہ چٹھی سبھا میں روانہ کر چکا ہوں۔ میں نے الٹی میٹم کا شبد لکھا ہے۔ اس سے میری مراد اس چٹھی سے سمجھنی چاہئیے۔ میں نے اس مضمون کے عین شروع میں ہی کہہ دیا ہے۔ کہ سائل کی یہ آخری التماس نہ صرف چند افراد کی زندگی یا موت کا سوال ہے۔ بلکہ ایک سوسائٹی کی آیندہ بہتری یا بدتری کا پہلو بھی ساتھ لئے ہوئے ہے۔ اس سوسائٹی سے میری مراد آریہ سماج ہی ہے۔ میں اس معاملہ پر مدت سے غور کر رہا ہوں۔ میں نے اس پہلو میں جس قدر تفتیش کی ہے۔ اور جس قدر واقعات اور بیانات میرے ہاتھ لگے ہیں۔ میں اُن کی بنا پر کہہ سکتا ہوں۔ کہ یہ معاملہ ایک خطرناک صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔ اور بہت کچھ بگڑ بھی چکا ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ اگر اس طرف جلدی توجہ نہ کی گئی۔ تو مرض لاعلاج ہو جائیگا۔ اور مہلک ثابت ہوگا۔ اور آریہ سماج کو ایک ایسا صدمہ پہنچیگا۔ جو اس کی ترقی کو شاید کئی سو سال پیچھے پھینک دیگا۔ لیکن مجھے افسوس اس بات کا ہے۔ کہ جو حالات میرے پاس پہنچے ہیں۔ آریہ پبلک اُن کی طرف سے آج تک قطعی اندھیرے میں ہے۔ اور اگر وہ کسی کو معلوم بھی ہوئے ہیں۔ تو اُن کو پبلک میں پیش کر کے اُن کے حق میں کوئی بھی پبلک رائے پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ گو میں نے گذشتہ پرچوں میں چند واقعات پر دھندلی روشنی ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ اور میری اس روش کو عام طور پر ناپسند بھی کیا گیا۔ بلکہ کھلے طور پر اس کو مضحکانہ اور طفلانہ قرار دیا گیا۔ مگر مجھے اس قسم کے ریمارکس بُرے نہیں معلوم ہوتے۔ کیونکہ موجودہ زمانہ میں جن تحریروں کو مضحکانہ جن تصویروں کو تمسخرانہ سمجھا جاتا ہے۔ وہی سب سے گہرا اثر پیدا کرتی ہیں۔ اور جن خیالات کو طفلانہ تصور کیا جاتا ہے۔ آخر کار وہی زیادہ پیارے لگا کرتے ہیں۔ بچوں کی باتیں لگتی بھی پیاری ہیں۔ مسیح نے خود کہا ہے۔ کہ جب تک تم بچوں کی مانند نہیں بنتے۔ تم آسمانی بادشاہت

ہیں داخل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ آسمانی بادشاہت بچوں کے لیئے ہی ہے۔
اگر میں نے ایک مضحکانہ اور طفلانہ کام بھی کیا ہے۔ تو میں کہونگا۔ کہ آریہ پبلک
کو ایک "طفل" کی باتوں پر سوچ وچار کرنے کے لیئے موقع نکالنا چاہیئے۔
میں نہیں چاہتا تھا۔ کہ آریہ سماج کی میٹھی نیند کو بھنگ کروں۔ کیونکہ
ایسا کرنا آج کل بے ادبی سمجھی جاتی ہے۔ مگر یہ جان کر کہ حالات بگڑ
رہے ہیں۔ میں نے بے ادب بننا ہی مناسب سمجھا۔ اس پہلو میں مزید
تحقیقات کرنے سے مجھے ایسے حالات معلوم ہوئے ہیں۔ جو نہایت ہی
بھیانک اور خطرناک ہیں۔ قریب ہے۔ کہ وہ اس تحریک کا ہمیشہ کے
لیئے خاتمہ کر دیں۔ اگر مناسب سمجھا گیا۔ تو میں اُن کو کسی دوسرے موقع
پر بیان کرونگا۔ اخیر میں اتنا کہہ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ اس کام کو
زیادہ دیر تک ملتوی کرنا خطرناک ہے۔ انترنگ سبھا کے لیئے تین
ماہ کی مہلت بہت کافی ہے۔ وہ خواہ کچھ ہی فیصلہ کرے۔ مگر جن
اصحاب نے اس کام میں جس قسم کی مدد دینے کا وعدہ کیا ہُوا ہے۔
اُن کو کام کرنے کے لیئے بالکل تیار رہنا چاہیئے۔ خاص کر ان اصحاب
کو جنہوں نے وظائف دینے کی پرتگیا کی ہوئی ہے۔ معلوم نہیں میں اُن
سے کس وقت روپیہ مانگ بیٹھوں۔ اُن کو روپیہ تیار رکھنا چاہیئے۔ تاکہ
میعاد مقررہ کے بعد کام فوراً شروع کر دیا جاوے +

---

# آریہ سماج
## پر
# سرسری نظر

آریہ سماج کا مستقبل خواہ کیسا ہی تاریک دکھائی دیتا ہو۔ اور اُس کی موجودہ حالت خواہ کیسی ہی ناتسلّی بخش ہو۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اس کا ماضی بہت ہی دل خوش کن ہے۔ اور یہ قاعدے کی بات بھی ہے۔ کہ ہر ایک سوسائٹی اپنی ابتدائی حالت کو زیادہ تسلّی بخش سمجھا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ مصیبتوں سے گھرا ہوا انسان بھی بسا اوقات اپنے بچپن اور نوجوانی کی ترنگوں کو یاد کرکے تسلّی پانے کے لئے مجبور ہوا کرتا ہے۔ جب ہم آریہ سماج کی موجود حالت کو دیکھتے ہیں۔ اور اس سے اس کے مستقبل کا اندازہ لگاتے ہیں۔ تو مایوسی ہمیں مجبور کردیتی ہے۔ کہ ذرا اُس کی گذشتہ زندگی پر نظر مار کر ڈھارس حاصل کی جاوے۔ پس آج ہم آریہ سماج کی گذشتہ رفتار کی پڑتال کرتے ہیں۔ ہم ابتدا سے اس کی پڑتال کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ گذشتہ چھ سال کو ہی سامنے رکھتے ہیں۔ اس بارے میں ہم مختلف آریہ ڈائرکٹریوں سے مدد لینگے +

## سماجوں کی تعداد

اگر ہم آریہ سماج کی ترقی کا معیار سماجوں کی تعداد کو سمجھیں تو ہم بلاخوف تردید کہ سکتے ہیں۔ کہ گذشتہ چھ سال کے اندر آریہ سماج نے جس قدر ترقی کی ہے۔ وہ نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۰ء میں آریہ ورت یا اس کے باہر کے ممالک کی تمام آریہ سماجوں کی تعداد پونے چارسو تھی۔ مگر ۱۹۰۶ء کے خاتمہ تک یہ تعداد پونے سات سو کے قریب پہنچ گئی ہے۔ گویا سماجوں کے لحاظ سے آریہ سماج نے چھ سال کے اندر ڈیڑھ گنا سے زیادہ ترقی کی ہے۔ ان سماجوں کا زیادہ حصہ پنجاب اور یکت پرانت میں ہے۔ چنانچہ پنجاب کے متعلق تمام سماجوں کی تعداد تقریباً پونے تین سو ہے۔ اور یکت پرانت میں ۲۴۰ کے قریب ہے۔ باقی کی سماجیں مختلف طور پر راجستھان۔ ممالک متوسط بمبئی۔ بنگال۔ مدراس۔ برھما۔ افریقہ میں واقع ہیں۔ ۱۹۰۰ء میں یکت پرانت کی آریہ سماجوں کی تعداد باقی کے تمام صوبوں سے زیادہ تھی۔ مگر پنجاب اپنی خانہ جنگی کے باعث اس وقت اوّل درجہ پر ہے۔ اس کی وجہ یہی نہیں ہے۔ کہ یہاں ویدک دھرم کا پرچار یکت پرانت کی نسبت زیادہ زور شور سے ہوتا ہے۔ بلکہ ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ یہاں پر بہت سی جگہوں میں ایک ایک سماج کے دو دو ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ ان دونوں ٹکڑوں کا باہمی کیا علاقہ ہے۔ یا ہو سکتا ہے۔ یا آریہ سماج کی مجموعی ترقی پر اس تفریق سے کیا اثر پڑا ہے۔ اس کے حسب حال ہمیں اس موقع پر ایک یونانی کہانی یاد آگئی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جب مشتری نے انسانوں کو پیدا کیا تھا۔ تو ان میں سے ہر ایک کے دو دو منہ ایک آگے ایک پیچھے۔ چار چار ہاتھ دو آگے دو پیچھے۔ چار چار ٹانگیں۔ دو آگے دو پیچھے۔ غرضیکہ وہ ڈبل انسان تھے۔ اُن کی طاقت

غضب کی طاقت تھی۔ جب وہ چاروں ٹانگوں کے بل دوڑتے تھے۔
تو اُن کی تیز رفتاری کا کوئی وجود مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ جب وہ کسی پر
حملہ کرتے تھے۔ تو اُس کو چکنا چور کر دیتے تھے۔ وہ تمام دنیا کے مالک
تھے۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ اُنہوں نے دیوتاؤں کو بھی فتح کرنا
شروع کر دیا۔ اُن کی یورشوں سے تنگ آ کر دیوتاؤں نے مشتری کے
دربار میں فریاد کی۔ کہ یہ جانور ہمیں بہت تنگ کرتے ہیں۔ آپ ان کا
کچھ علاج کیجئے۔ مشتری نے سوچا۔ کہ انسان مجھ پر چڑھاوا چڑھاتے
ہیں۔ اگر میں ان کو مار دونگا۔ تو چڑھاوا کون چڑھائیگا۔ اور میری پوجا
کون کریگا۔ مگر ادھر اس کو دیوتاؤں کا بھی خیال تھا۔ وہ بہت شش
و پنج میں پڑ گیا۔ سوچ سوچ کر اُس نے یہ ترکیب نکالی۔ کہ اچھا
ہم انسان کو بیچ میں سے چیر کر دو ٹکڑے کر دینگے۔ اس طرح اُن کی
طاقت دیوتاؤں کی طاقت سے کم ہو جائیگی۔ اور ہماری پوجا اور
چڑھاوا بھی دوگنا ہو جائیگا۔ یہ خیال کر کے مشتری نے چار چار
ہاتھ۔ چار چار ٹانگوں اور دو دو سروں والے انسان کو بیچ میں
سے چیر کر دو دو ٹانگ۔ دو دو ہاتھ اور ایک ایک سر والا کر کے ایک
حصّہ کو استری اور دوسرے حصّہ کو پرش بنا کر چھوڑ دیا۔ اس طرح
اُن کے رعب داب اور اُن کی حیرت انگیز طاقت میں زمین و آسمان
کا فرق آ گیا۔ انسان دو ٹکڑوں میں تقسیم تو کر دیا گیا۔ مگر اُن دونو کے
درمیان یہ خواہش موجود رہی۔ کہ جس طرح ہو۔ ہم ایک دوسرے سے
مل جائیں۔ چنانچہ اُس وقت سے لے کر اب تک یہ قاعدہ چلا آتا ہے۔
کہ جب دونو ٹکڑوں میں باہمی کشش زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ دونوں
ایک دوسرے سے ملنے کے لئے مستعد ہو جاتے ہیں۔ تو وہ فوراً مل جاتے
ہیں۔ اور ایک مکمل انسان بن جاتے ہیں۔ جہاں یہ ملاپ دھرم کی بنا

پر ہوتا ہے۔ وہاں ایک شادی شدہ جوڑے کی صورت میں مکمل انسان گرہست آشرم کی پاک ذمہ واریوں کو پورا کرتا ہؤا مزے سے زندگی بسر کرتا ہے۔ مگر جہاں یہ ملاپ محض حیوانی۔ جسمانی یا نفسانی خواہشات کی بنا پر ہوتا ہے۔ وہاں اُن خواہشات کے سیر ہو جانے یا نہ ہو جانے پر دونوں میں پھر کھٹ پٹی ہو جاتی ہے۔ اور وہ ایک دوسرے سے بذریعہ طلاق پھر علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ یونانیوں نے تو اس فرضی کہانی کو شادی کے اصول کو واضح کرنے کے لئے گھڑا تھا۔ مگر ہم نے یہاں پر اس کو آریہ سماج کی کھٹ پٹی کو واضح کرنے کے لئے بیان کیا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ آریہ سماج کے دو ٹکڑے ہو جانے سے سماجوں کی تعداد پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ چڑھاوے کا روپیہ بھی زیادہ ہو گیا ہے۔ مگر وہ رعب داب نہیں رہا۔ جو کہ پہلے تھا۔ گو دونوں فریق آپس میں ملنے کے لئے خواہشمند رہتے ہیں۔ مگر ابھی تک اُن کی یہ خواہش دھرم کی بنا پر معلوم نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب ایک دفعہ وہ دونو مل بھی گئے تھے۔ تو پھر کھٹ پٹی ہو گئی۔ اس استعارہ کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم پھر نفس مضمون کی طرف آتے ہیں۔ یکت پرانت میں گو آریہ سماجوں کی متفقہ طاقت پنجاب کی مختلفہ طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر اُس کے بعض بعض ضلعوں میں ویدک دھرم کا خوب زور شور سے پرچار ہو رہا ہے۔ چنانچہ یکت پرانت کے ضلع مظفر نگر میں جس قدر سماجیں ہیں۔ اس قدر پنجاب کے کسی ضلع میں نہیں ہیں۔ ضلع مظفر نگر میں سماجوں کی تعداد ۲۳ ہے۔ پنجاب میں سب سے زیادہ سماجیں گورداسپور کے ضلع میں ہیں۔ جن کی تعداد ۲۰ سے زیادہ نہیں ہے۔ پنجاب میں پرچار کے لحاظ سے دوسرے درجہ پر کرنال کا علاقہ ہے۔ کرنال کے علاقہ میں سماجوں کی

تعداد ۱۹ ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو۔ کہ اس علاقہ میں اُپ پرتی ندھی سبھا قائم ہے۔ جو بڑی سرگرمی سے کام کر رہی ہے۔ سماجوں کی تعداد کے لحاظ سے گذشتہ چھ سال کے اندر آریہ سماج نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ جب سماجوں میں اضافہ ہوا ہے۔ تو اُس کے ممبروں میں اضافہ ہونا قدرتی بات ہے +

## مالی حالت

آریہ سماج نے جیسے ممبروں اور آریہ سماجوں کے لحاظ سے گذشتہ چھ سال میں غضب کی ترقی کی ہے۔ ویسے ہی مالی حالت کے لحاظ سے بھی اُس نے بڑی "خوفناک" ترقی کی ہے۔ اس بات کے بتانے کی ضرورت نہیں۔ کہ جب آریہ سماج میں "گھاس اور مانس" پر لٹھ بازی ہوئی تھی۔ تب ایک پارٹی کے ہاتھ میں سچ مچ گھاس کے تنکے ہی رہ گئے تھے۔ باقی کا تر مال سب دوسری پارٹی کے ہاتھ میں آگیا تھا۔ چنانچہ آریہ پرتی ندھی سبھا کا کل سرمایہ جو کہ اس لوٹ کھسوٹ کے بعد سنہ ۱۹۰۰ء میں اس کے پاس باقی رہ گیا تھا وہ کلھم اجمعین ۵۲ ہزار روپیہ کے لگ بھگ تھا۔ مگر اگست سنہ ۱۹۰۶ء کو اُس کا سرمایہ تقریباً تین لاکھ روپیہ تک پہنچ گیا۔ گویا مالی حالت کے لحاظ سے بھی پنجاب نے گذشتہ چھ سال میں تقریباً چھ گنا ترقی کی ہے۔ اسی طرح یکت پرانت کا سرمایہ سنہ ۱۹۰۰ء کے اختتام پر کل ساڑھے سات ہزار کے قریب تھا۔ مگر سنہ ۱۹۰۶ء کے اختتام پر اس کا سرمایہ اڑتیس ہزار کے لگ بھگ تھا۔ اسی طرح دیگر صوبوں میں بھی آریہ سماج نے مالی پہلو میں پہلے کی نسبت خاصی ترقی کی ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں بنگال۔ بہار۔ بمبئی۔ راجستھان۔ ممالک متوسط۔ برہما۔ وغیرہ میں جہاں جہاں پرتی ندھی سبھائیں تھیں بھی وہ برائے نام تھیں۔ مگر سنہ ۱۹۰۶ء کے اختتام تک ان سب جگہوں میں آریہ سماج کا پرچار بڑے زور شور سے ہوتا رہا ہے +

## تعلیمی حالت

مالی حالت کو نظر انداز کرتے ہوئے جب ہم آریہ سماج کی تعلیمی حالت پر نظر مارتے ہیں۔ تو اس میں بھی غضب کی ترقی پاتے ہیں۔ اُن سکولوں کے علاوہ جن کا تعلق ڈی۔ اے۔ وی کالج سے ہے۔ اور بھی کئی جگہوں میں آریہ سماج کے ہائی سکول اور مڈل سکول یا سنسکرت کی پاٹھ شالائیں قائم ہیں۔ جن میں سے گوروکل ایک ایسا انسٹی ٹیوشن ہے۔ جس نے تقریباً تمام بھارت ورش کی ہمدردی کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ گوروکل کے بارے میں ہم کسی دوسرے موقع پر علیحدہ ذکر کرینگے۔ اس وقت ہم صرف دوسرے تعلیمی انسٹی ٹیوشنوں کا ہی مختصر نوٹس لیتے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں ڈی۔ اے۔ وی کالج سے ملحقہ سکولوں کو چھوڑ کر آریہ سماج کے تمام قسم کے سکولوں یا پاٹھ شالاؤں کی تعداد کل ۱۱ تھی۔ مگر سنہ ۱۹۰۶ء میں یہ تعداد ۳۳ ہو گئی۔ جن میں ۷ ہائی سکول ہیں۔ باقی سنسکرت کی پاٹھ شالائیں ہیں۔ استری شکھشا کے لحاظ سے تو آریہ سماج نے تختہ ہی پلٹ دیا ہے۔ گورنمنٹ کے تعلیمی محکمہ کو اپنی تعلیمی رپورٹ میں استری شکھشا کے بارے میں آریہ سماج کی یگانہ کوشش کی داد دینی پڑی ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں استری پاٹھ شالاؤں کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی مشکل سے ۱۲ یا ۱۳ تھی۔ مگر سنہ ۱۹۰۶ء کے اختتام پر یہ ۵۶ تک پہنچ گئی ہے۔ جن میں سے ۲۶ کنیا پاٹھ شالائیں تو صرف پنجاب میں ہی ہیں۔ یکت پرانت میں ۲۲ ہیں۔ راجستھان میں پانچ۔ بنگال بہار میں ۲۔ ممالک متوسط میں ایک۔ ان پاٹھ شالاؤں میں سے جالندھر ڈیرہ دون لدھیانہ۔ ہریانہ۔ لاہور۔ لائل پور کی پاٹھ شالائیں استری شکھشا کے بارے میں بہت اچھا کام کر رہی ہیں۔ سکولوں اور پاٹھ شالاؤں کے علاوہ ۱۵ یتیم خانے بھی ہیں۔ جن میں اناتھ لڑکوں اور لڑکیوں کو تعلیم دی جاتی ہے اس وقت ان میں ۴ سو کے قریب لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پا رہے ہیں۔ گو

یتیم خانوں کی حالت عیسائیوں کے یتیم خانوں کے مقابلہ میں بہت ہی ناتسلّی بخش ہے۔ مگر پھر بھی نہ ہونے کی نسبت کسی قدر ہونا اچھا ہے۔ غرض تعلیم کے لحاظ سے بھی آریہ سماج نے قدم آگے ہی اُٹھایا ہے +

## پرچار کا کام

ویدک دھرم کے پرچار کے لئے جس قدر اب استری پرش کام کر رہے ہیں۔ وہ پہلے کی نسبت بہت زیادہ ہیں۔ ۱۹۰۰ء میں ہر ایک قسم کے سنیاسیوں۔ اپدیشکوں۔ لیکچراروں پنڈتوں وغیرہ کی تعداد جو کہ کسی نہ کسی جگہ کسی نہ کسی طریقے سے ویدک دھرم کا پرچار کر رہے تھے۔ کل ۷۰ کے قریب تھی۔ مگر ۱۹۰۶ء کے اختتام پر محض لوکل اپدیشکوں کی تعداد ہی ۹۸ تک پہنچی ہوئی تھی۔ لوکل اپدیشکوں کے علاوہ دوسرے اپدیشکوں لیکچراروں سنیاسیوں وغیرہ کی تعداد جو کہ اس وقت کسی نہ کسی جگہ کسی نہ کسی طریقہ سے ویدک دھرم کے پرچار میں حصہ لے رہے ہیں۔ ڈیڑھ سو کے قریب ہے۔ گویا آج سے چھ سال پہلے کی نسبت اُس وقت ڈیڑھ سو سے زیادہ لائق آدمی آریہ سماج میں کام کر رہے ہیں۔ ان میں ہر ایک قسم کے سنیاسی۔ لیکچرار۔ پنڈت۔ یونیورسٹی کی ڈگری پائے ہوئے عالم اور دیگر معزز صاحب شامل ہیں۔ جن کو آریہ سماج کی عمارت بنانیوالے معمار کہا جا سکتا ہے +

## اخبارات

تقریری پرچار کے علاوہ ویدک دھرم کا پرچار کرنیوالے اس کے اخبارات بھی ہیں جس قدر ویدک دھرم کا پرچار اس کے اخبارات کے ذریعہ ہو رہا ہے اس قدر شاید اپدیشکوں وغیرہ کے ذریعہ بھی نہیں ہوتا ہوگا۔ پرچار کے اس ڈھنگ میں آریہ سماج کا روپیہ بھی بہت خرچ ہو رہا ہے۔ مگر اس کے اخبارات ایک ایسی چیز ہیں۔ جو آریہ سماج کے ارد گرد ایک آہنی فصیل کا کام دے رہے ہیں۔ اور اس کو مخالفین کے ہر ایک قسم کے حملے سے بچا رہے ہیں۔ خوشی

کی بات ہے۔ کہ آریہ سماج کا پریس روز بروز زبردست ہوتا جاتا ہے۔ دیگر باتوں کے علاوہ آریہ سماج نے پریس کے لحاظ سے بھی ایک نمایاں ترقی کی ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں انگریزی۔ اردو۔ بھاشا وغیرہ کے کل اخبارات و میگزینوں کی تعداد بیس اور پچیس کے درمیان تھی۔ مگر سنہ ۱۹۰۶ء میں یہ تعداد ۳۶ اور ۴۰ کے درمیان ہوگئی۔ ان تمام اخبارات و رسالجات کی سالانہ قیمت کا مجموعہ ۶۰ روپیہ کے قریب ہے۔ اگر ہم تمام چھوٹے بڑے اخبارات کی تعداد اشاعت فی عدد اوسطاً ایک ہزار بھی مان لیں۔ حالانکہ بہت سے پرچوں کی تعداد دو دو ڈھائی ڈھائی ہزار کے قریب ہے۔ تو بھی یہ سمجھنا چاہئیے۔ کہ آریہ پبلک اس وقت کم از کم ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ اخبارات کی نظر کر رہی ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں آریہ پبلک کم از کم ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ تحریری پرچار میں خرچ کر رہی ہے۔ ان اخبارات میں بہت سے ایسے ہیں۔ جو سنسکرت شکھشا کا ہی پرچار کر رہے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں۔ جو دیگر مذاہب کے حملوں سے آریہ سماج اور ویدک دھرم کی رکھشا کر رہے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں۔ جو مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ آریہ سماج کو موجودہ زمانہ کے خطرناک پولٹیکس سے بچا کر اُس کو ساونڈ پولٹیکس سے آگاہ کر رہے ہیں۔ غرضیکہ ان اخبارات میں تقریباً ہر ایک قسم کا مصالح موجود ہوتا ہے +

## سنسکار

باوجود رونے پیٹنے کے کہ آریہ سماج میں سنسکار ویدک ریتی سے نہیں ہوتے۔ پھر بھی سنسکاروں کے بارے میں آریہ سماج پہلے کی نسبت آگے قدم اُٹھا رہا ہے۔ زمانہ تھا۔ کہ آریہ سماج میں ویدک ریتی سے سنسکار کرتے ہوئے بڑے بڑے آدمی بھی برادری وغیرہ کے خوف سے کانپ جایا کرتے تھے۔ مگر اب یہ ڈر دن بدن کم ہوتا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ آریہ سماج میں سنسکار ضرور ہوتے ہیں۔ اور ویدک ریتی سے ہی ہوتے ہیں۔ مگر ویدک ریتی زیادہ تر وہی استعمال کی

جاتی ہے۔ جو کہ لوگوں کی سمجھ میں آتی ہے۔ یا جس کو وہ آسان تر خیال کرتے ہیں۔ اگر اس من گھڑت ویدک ریتی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم سنسکاروں کے لحاظ سے آریہ سماج پر نظر ڈالیں۔ تو ہمیں خاصی تسلی مل جاتی ہے۔ کہ ہاں پہلے سے بڑھ چڑھکر باجے گاجے سے کام ہو رہا ہے۔ اس قسم کی ویدک ریتی سے سنسکار اس کثرت سے ہونے لگ گئے ہیں۔ کہ ان کا صحیح صحیح اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ مگر جہاں تک اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہاں تک کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس پہلو میں غضب کی ترقی ہوئی ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۰ء میں اس قسم کے سنسکاروں کی تعداد پونے دو سو کے قریب تھی۔ مگر ۱۹۰۶ء میں ڈیڑھ ہزار سے زیادہ سنسکار ویدک ریتی سے ہوئے۔ ان میں زیادہ تر مرتک اور بواہ سنسکار ہیں۔ باقی کے سب سنسکار ویدک ریتی سے کرنے آسان ہیں۔ اور عموماً کئے جاتے ہیں مگر سب سے ضروری اور سب سے پہلا سنسکار یعنی بواہ سنسکار تو آریہ سماج کی تواریخ میں شاید چار پانچ ہی ویدک ریتی سے ہوئے ہونگے۔ خیر کچھ ہی سہی۔ تسلی کے لئے یہ تعداد بہت کافی ہے +

## مونڈ مونڈائی

اس سرخی کا دوسرا نام "شدھی" ہے۔ آریہ سماج نے اس پہلو میں بھی بہت ترقی کی ہے۔ آریہ سماج سے پوپوں کی کھیر پوری کو نقصان پہنچا۔ پنڈتوں کے ٹکے مارے گئے۔ مگر حجاموں کی آمدنی میں نمایاں اضافہ ہو گیا۔ اگر اور کچھ نہیں۔ تو گذشتہ چھ سال کے اندر آریہ سماج نے کم از کم سات ہزار کے قریب میگھوں اوڈوں۔ رہتیوں کی حجامت کر ڈالی۔ ڈیڑھ سو کے قریب عیسائیوں کو بپتسمہ دیا۔ تین سو کے قریب مسلمانوں کو "کافر" بنا ڈالا۔ اور بس !!!

## مندر اور ممبر

آریہ سماج نے جہاں دوسرے پہلوؤں میں ترقی کی ہے۔ وہاں مندر بنانے میں

بھی قدم آگے ہی اٹھایا ہے۔اس وقت تک دو سو سے زیادہ مندر بن چکے ہیں۔ان میں سے بعض جگہ کے مندر بڑے عالیشان ہیں۔مثلاً اجمیر۔بمبئی۔ راولپنڈی وغیرہ وغیرہ۔اجمیر کا مندر پچیس ہزار روپیہ کی لاگت کا ہے۔اسی طرح بمبئی کا مندر تیس ہزار روپیہ کی لاگت ہے۔راولپنڈی میں اکیلے شخص لالہ کرپارام جی نے اپنی جیب خاص سے ۱۵ ہزار روپیہ لگا کر بڑا عالیشان مندر بنوا دیا ہے۔آج تک مندروں سے گرجے اور مسجدیں تو بنتی چلی آرہی تھیں مگر شملہ آریہ سماج نے گرجے پر ہی ہاتھ صاف کر ڈالا۔اور چالیس ہزار روپیہ کو گرجے کا گرجا ہی خرید لیا۔افسوس آریہ سماج کے پاس روپیہ کی کمی ہے۔ اگر اس کے پاس کافی روپیہ ہو۔تو وہ سوکھا گرجوں کا ہی سودا نہ کرے۔بلکہ گرجے کے ساتھ عیسائیوں کو بھی خریدنا شروع کر دے۔کیونکہ یہ لوگ محض روپیہ کی خاطر ہی "مسیح کا خون پینے اور اس کا مانس کھانے" کے لئے عیسائی ہوتے ہیں۔بائیبل بھی لوگوں کو مزیدار مردم خوری سکھاتی ہے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ ہے۔آریہ سماج کے مندروں کو چھوڑ کر اس کے ممبروں کی تعداد میں بھی دن بدن ترقی ہی ہوتی جاتی ہے۔اگرچہ یہ کہنا بڑا مشکل ہے۔ کہ اس وقت آریہ سماج کے ممبروں کی تعداد کس قدر ہے۔لیکن اگر مردم شماری کی رپورٹ کو صحیح مان لیا جاوے۔تو کہنا پڑیگا۔کہ سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے آریوں کی تعداد کل ایک لاکھ کے قریب تھی۔اگر ہم اس رپورٹ کو غلط مان لیں۔اور یہ رپورٹ ہے بھی غلط۔تو بھی ہم کو کہنا پڑیگا۔کہ اس وقت آریہ سماج کے ممبروں کی تعداد تین چار لاکھ کے اندر اندر رہی ہوگی۔تمام دنیا کی آبادی کے مقابلہ میں یہ تعداد کیا ہے۔کچھ بھی نہیں٭

---

# قبرستان وشمشان

"مُردوں کو دبانا اچھا ہے۔ یا جلانا؟ یہ ایک چھوٹا سا مگر نہایت ہی ضروری سوال ہے۔ اِنڈین لینسٹ میں اس بارے میں ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ جس کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔ ایڈیٹر"

آج کل اُن لوگوں کے سامنے جو حفظان صحت کی طرف خاص توجہ دے رہے ہیں۔ یہ ایک اہم سوال درپیش ہے۔ کہ مُردوں کا کس طریقہ سے فیصلہ کرنا چاہئے۔ یعنی کونسے ایسے وسائل اختیار کئے جائیں۔ جن کے ذریعہ مُردوں کا آسانی اور کلیتہً طور پر فیصلہ کرنے کے علاوہ زندوں کی صحت کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے۔ کیونکہ مُردوں کی نسبت زندوں کا خیال کرنا زیادہ ضروری ہے۔ مُردوں کے لئے زمانہ قدیم سے اس وقت تک جو طریقے استعمال کئے جاتے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک تو خوشبودار مصالح بھر کر رکھ دینا دوسرے سمندر میں ڈبو دینا۔ تیسرے زمین میں دفن کر دینا چوتھے جلانا ہے۔ مصالح بھرنے کا طریقہ ایک ایسا طریقہ ہے۔ جو کہ زیادہ تر مصر جیسے ممالک کے حسب حال ہے۔ جہاں کی ہوا خشک اور گرم ہے۔ مگر موجودہ زمانہ کی قوموں میں اس کا رواج نہیں ہو سکتا۔ سمندر میں ڈبونے کا عمل بھی اُن ہی جگہوں میں زیادہ تر آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ جو کہ ساحل بحر کے نزدیک واقع ہوں۔ جو جگہیں سمندر سے دُور ہیں۔ وہاں سے مُردوں کو لے جانے میں زیادہ خرچ اور تکالیف اُٹھانی پڑتی ہیں۔ پس اب دو ہی

طریقے باقی ہیں۔ اوّل دفنانا دوم جلانا۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ دونوں میں سے کونسا طریقہ موجودہ سوسائٹی کے حالات کے مناسب ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ مُردوں کو جلانے کا عمل کوئی نیا نہیں ہے۔ بلکہ تواریخ ہمیں بتاتی ہے۔ کہ زمانہ قدیم سے مُردوں کو جلانے کا دستور چلا آتا ہے۔ ابتدائی زمانہ میں مُردوں کو غار کے اندر رکھکر آگ لگا دیتے تھے۔ جس سے وہ جل جاتے تھے۔ غرضیکہ ابتدائی زمانہ میں تمام ممالک میں سوائے چین اور مصر کے مردوں کو جلانے کا دستور موجود تھا۔ مصری لوگ مصالحوں سے کام لیتے تھے۔ اور چینی لوگ مردوں کو دفن کرتے تھے۔ یونان میں جبکہ اُس کی شہرت روئے زمین پر پھیلی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے آدمیوں کی لاشوں کو جلایا جاتا تھا۔ قدیم رومی لوگ جو کہ حفظان صحت کے پیش خیمہ تھے۔ مردوں کو دبانے اور جلانے کے دونوں طریقے استعمال کرتے تھے۔ مگر وہ جلانے کو دبانے پر ترجیح دیتے تھے۔ مابعد کے زمانہ میں جبکہ رومیوں کی سلطنت اپنے عروج پر تھی۔ مُردوں کو جلانا قانوناً جاری ہوگیا۔ مگر اس میں زیادہ تر حصہ عیسائیت کا تھا۔ کیونکہ عیسائیت میں مُردوں کو قیامت کے دن زندہ ہونا مانا گیا ہے۔ پس مُردوں کو جلانے کا طریقہ کوئی نیا نہیں ہے۔ بلکہ پُرانے طریقہ کو ہی ایک اعلےٰ پیمانہ پر رواج دیا گیا ہے۔ مگر پیشتر اس کے کہ ہم جلانے کے فوائد کو دبانے کے نقصانات کے مقابلہ میں پیش کریں۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ مرنے کے بعد انسانی جسم میں کیا کیا تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ انسان کا جسم ایک نہایت ہی پیچدار بناوٹ ہے۔ موت کے بعد اس میں عجیب و غریب کیمیکل تغیرات واقع ہوتے ہیں۔ ان تغیرات کے ذریعہ جسم اپنے عناصر میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ اور سوائے پانی۔ نوشادر اور کاربن ڈائکسائڈ کے اور کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ کونسا ایسا طریقہ اختیار کیا جاوے۔ جس کے ذریعہ

مُردہ جسم جلدی ہی اپنے ابتدائی عناصر میں تحلیل ہو سکے۔ ہمارے ناظرین ہمارے ساتھ اتفاق رائے کرینگے۔ کہ اس کام کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ جو کہ عوام الناس کی صحت کے لئے بالکل بے خطر ہو۔ اور ساتھ ہی ایک مہذب سوسائٹی کے جذبات کو کسی قسم کی چوٹ پہنچانے والا یا نفرت دلانے والا نہ ہو۔ پس اب ہم اس معاملہ پر کیا بلحاظ حفظ صحت۔ کیا بلحاظ کفایت شعاری۔ کیا بلحاظ جواز طب۔ کیا بلحاظ مذہب۔ اور کیا بہ لحاظ جذبات انسانی مفصل بحث کرتے ہیں ÷

**ا۔ حفظ صحت**۔ ہم یہ مانتے ہیں۔ کہ مُردوں کا جلانا یا دبانا زیادہ تر حفظ صحت کے سوال کو لیکر ہے۔ اگر ہم یہ ثابت کر دیں۔ کہ جلانے سے حفظ صحت کے مسئلہ کو تقویت ملتی ہے۔ تو سمجھو۔ کہ سوال حل ہو گیا۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ جب لاش کو کھلی ہوا میں رکھ دیا جاتا ہے۔ تو یہ جلدی ہی سڑ جاتی ہے۔ لیکن جب اس کو کفن میں لپیٹ کر زمین میں رکھ دیا جاتا ہے تو لاش کا اپنے عناصر یعنی پانی۔ نوشادر۔ کاربن ڈیکسائڈ میں تحلیل ہونے کا عمل آہستہ آہستہ سڑ گل کر ہونا شروع ہوتا ہے۔ اس سڑاند سے بہت سے کیمیکل زہر پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایسی ہوائیں پیدا ہوتی ہیں۔ جو تنفس کے لئے زیادہ خطرناک اور عوام الناس کی صحت کو بگاڑنے میں زیادہ مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ علاوہ سڑاند سے پیدا شدہ جرمز کے عموماً چیچک۔ ہیضہ۔ پلیگ وغیرہ متعدی امراض کے جرمز جن سے کہ مریض کی موت ہوئی ہوتی ہے۔ جسم کے سڑنے کے بعد چاروں طرف پھیلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ زہریلے جرمز یا تو ہوا میں مل جاتے ہیں۔ یا پانی کے ذریعہ کسی نزدیک کے کنوئیں۔ تالاب یا جوہڑ میں جا ملتے ہیں۔ پس ہوا اور پانی جو کہ انسانی صحت کے لئے دو نہایت ہی ضروری چیزیں ہیں۔ مردوں کو دبانے کے عمل سے ناپاک ہو جاتی ہیں۔ پیرس میں دیکھا گیا ہے۔ کہ جو لوگ قبرستان کے نزدیک

رہتے ہیں۔ وہ زیادہ تر سر درد۔ بدہضمی اور گلے کے زخموں سے تکلیف اُٹھاتے
رہتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ موجودہ زمانہ میں مہذب لوگ یہ کوشش کر رہے
ہیں۔ کہ جہاں ہو سکے۔ قبرستان آبادی سے دور بنائے جائیں۔ قبرستان کے
لئے زمین خشک ہو۔ ٹھوس ہو۔ رسنے والی نہ ہو۔ قبر خاصی گہری کھودی جائے
مگر باوجود ان تمام احتیاطوں کے ہم مُردوں کے سڑنے کے قدرتی عمل کو کسی
صورت میں روک نہیں سکتے۔ نہ ہی سڑانے سے پیدا شدہ خرابیوں کا تدارک
کر سکتے ہیں۔ اگرچہ قبرستان میں رہائش کے لئے نہیں۔ بلکہ کاربن ڈیکسائڈ
کو جذب کرنے کے لئے درخت اور پودے بھی لگا دئے جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی ہم
دیکھتے ہیں۔ کہ مُردوں کو دبانے کا طریقہ انسان کی صحت کے لئے بڑا خطرناک
ہے۔ یہ تمام خطرات جلانے کے ذریعہ دور ہو سکتے ہیں۔ جلانے کا عمل ایک
یا دو گھنٹہ کے اندر سب چیزوں کی صفائی کر دیتا ہے۔ حالانکہ دبانے سے لاش
مہینوں کیا بلکہ سالوں تک سڑتی رہتی ہے۔ جلانے سے کیمیکل زہر بھی پیدا
نہیں ہوتے۔ پس حفظ صحت کے لحاظ سے کوئی شخص بھی اس بات سے
انکار نہیں کر سکتا۔ کہ جلانا دبانے کی نسبت زیادہ مناسب اور زیادہ
محفوظ طریقہ ہے +

**۲۔ کفایت شعاری**۔ بعض لوگوں کا یہ خیال بھی ہے۔ کہ جلانے
میں دبانے کی نسبت زیادہ خرچ آتا ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ جلانا دبانے
کی نسبت سستا ہے۔ قبرستان کے لئے نئی سے نئی زمین خریدنی پڑتی
ہے۔ مگر شمشان کے لئے ایسا نہیں کرنا پڑتا۔ کفن دفن کے لئے آجکل جس
قسم کے قیمتی کپڑے وغیرہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اُن کی بھی ضرورت نہیں
مابعد کے اخراجات سے آدمی بچ جاتا ہے۔ قبر کی حفاظت کے لئے پختہ عمارت
یا کسی قسم کی دوسری یادگار بنانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن جلا دینے
سے یہ باتیں نفی ہو جاتی ہیں۔ اگر متوفی دوست کی ہڈیوں کو دبانا ہی منظور

ہو۔ تو جلانے کے بعد اس کی خاکستر کو ایک چھوٹے سے برتن میں بند کر کے چندا نچ جگہ میں دبایا جا سکتا ہے۔ اس سے نہ تو سڑاند پھیلنے کا اندیشہ نہ پانی ہوا کے بگڑنے کا خوف +

۳۔ واردات۔ جلانے کے برخلاف ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے۔ کہ اس سے زہر خوردنی اور دیگر قسم کی واردات کا پتہ لگنا مشکل ہو جائیگا کیونکہ آگ چند ہی منٹوں میں جسم کی صفائی کر دیتی ہے۔ مگر یہ اعتراض کچھ چنداں زبردست نہیں۔ کیونکہ اس قسم کی واردات کے لئے پہلے ہی انتظام کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً اوّل مرحوم کے رشتہ دار جلانے سے پہلے اس قسم کی عرضی دے سکتے ہیں۔ جس میں لکھا ہو۔ کہ مرحوم کی وصیّت تھی۔ کہ اس کو بعد از مرگ جلایا جاوے۔ اور کہ اس کو اس میں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ دوم دو ڈاکٹروں کا سرٹیفکیٹ موت کے بواعث کے بارے میں لیا جا سکتا ہے۔ یا اس ڈاکٹر کا سرٹیفکیٹ لیا جا سکتا ہے۔ جو کہ مریض کا علاج کرتا رہا ہو۔ سوم رجسٹرار کا سرٹیفکیٹ دبانے یا جلانے کے بارے میں لیا جا سکتا ہے۔ چہارم اگر کسی قسم کی زہر خوردنی کا شبہ ہو۔ تو سوسائٹی اس کو جلانے میں ذرا دیر کر سکتی ہے۔ یا انکار کر سکتی ہے۔ تاوقتیکہ پورا فیصلہ نہ ہو جاوے۔ ہوس آف کامنز کی طرف سے جو ایک کمیٹی اس بارے میں تحقیقات کرنے کے لئے مقرر ہوئی تھی۔ اس نے رپورٹ کی تھی۔ کہ کریمیشن سوسائٹی کی طرف سے جس قسم کی احتیاط مُردے کو جلانے میں کی جاتی ہے۔ اس میں کوئی شکیہ موت چھپی نہیں رہ سکتی۔ کمیٹی نے یہاں تک بھی ظاہر کیا۔ کہ جلانے میں دبانے کی نسبت واردات کے اخفا کا اندیشہ بہت ہی کم ہے +

۴۔ مذہب۔ جلانے کے برخلاف جو نہایت ہی نامعقول مخالفت کی جاتی ہے۔ وہ زیادہ تر پادریوں اور واعظوں کی طرف سے ہوتی ہے۔

وہ عوام الناس کو یہ کہتے پھرتے ہیں۔ کہ جلانا ہمارے مذہب کے برخلاف اور کافروں کا دستور ہے۔ وہ یہ بھی کہتے پھرتے ہیں۔ کہ مُردوں کو جلانا بائیبل کی تعلیم اور مُردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے مسئلے کے قطعی برخلاف ہے۔ مگر اس سوال کا فیصلہ اس سوال سے ہو گیا ہے۔ جو کہ لارڈ شیفٹسبری نے پوچھا تھا۔ کہ اگر یہ بات ٹھیک ہے۔ تو اُن عیسائی شہیدوں کا کیا حال ہوگا جو کہ زندہ آگ میں جلائے گئے۔ عیسائیوں کو اُن کی بہبودگی سے خبردار کرنے کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ایک انگریز بشپ نے جو کہ بہت ہی مشہور اور عالم ہیں۔ یہ بیان کیا ہے۔ کہ کوئی بھی سمجھدار آدمی اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ کہ ہمارے جسم کے خاک میں مل جانے سے عیسائی مذہب پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ یورپ میں بہت سے پروٹسٹنٹ پادری لوگ کریمیشن سوسائٹی کے ممبر ہو کر مُردوں کو جلانے کا خوب زور شور سے پرچار کر رہے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جلانے میں اُس تمام مذہبی سنجیدگی اور رسومات کی پیروی کی جا سکتی ہے۔ جو کہ دبانے میں کی جاتی ہو۔

**۵۔ جذبات** ۔ مُردوں کو جلانے کے برخلاف ایک خوفناک اعتراض جذبات کا کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ لوگ صدہا سال سے مُردوں کو دبانے کے عادی چلے آتے ہیں۔ اب اگر اُن کو جلانے کے لئے کہا جاوے۔ تو اُن کو بہت بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اور اُن کے جذبات کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس تعصب کو دور کرنے اور راستہ بنانے کے لئے بہت مدت تک جنگ کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن جن لوگوں نے یورپ کے کسی شمشان بھومی میں مُردوں کو جلانے کا عمل دیکھا ہوگا۔ وہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اُس میں کوئی بھی بُری بات نہیں ہے۔ ہر ایک شمشان کے ساتھ لگتا ایک گرجا بنا ہوا ہے۔ جہاں تکفین کی رسم کو پورا کرنے کے لئے باجہ بھی رکھا ہوا ہوتا ہے۔ جب لاش وہاں پہنچتی ہے۔ تو اس کو ارتھی پر رکھ دیا جاتا ہے۔ اس

اثنا میں پادری مُردے کے لئے دعا کا پاٹھ کرتا ہے۔ ارتھی اس دروازے کی طرف رکھی جاتی ہے۔ جو کہ بھٹی کی طرف کھلتا ہے۔ دعا ہو چکنے کے بعد مشین حرکت میں آتی ہے۔ مُردے کو بھٹی کی طرف لے جاتی ہے۔ اور دروازہ خود بخود ہی بند ہو جاتا ہے۔ اور رونے پیٹنے کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جب مُردہ بھٹی کی طرف چلا جاتا ہے۔ تو پھر کسی کو کچھ نظر نہیں آتا۔ کہ وہ کیونکر جل رہا ہے۔ نہ دھواں نکلتا ہے۔ نہ کسی قسم کی آواز آتی ہے۔ مرحوم کے رشتہ دار پاس کے کمرے میں بیٹھے رہتے ہیں۔ بھٹی اصلی شمشان سے علیحدہ ہوتی ہے۔ اور شمشان میں جو آگ جلائی جاتی ہے۔ اس کے شعلے مُردے کو نہیں چھوتے۔ بلکہ بھٹی میں اس قسم کی تیز حرارت اور گیس بھر دی جاتی ہے۔ جو لاش کو ایک یا دو گھنٹہ کے اندر بھسم کر دیتی ہے۔ اور باقی سفید خاکستر رہ جاتی ہے۔ اس خاکستر کو کسی برتن میں اٹھا کر گرجے کے احاطہ میں رکھ دیا جاتا ہے۔ جلانے کا یہ طریقہ کسی شخص کے جذبات کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچاتا۔ جلانے کے حق میں سب سے پہلے سر ہنری طامس نے اپنی زبردست آواز اُٹھائی تھی۔ جنہوں نے قبرستان کے اردگرد کی ناپاک ہوا اور گندے پانی کے نقصانات کو پبلک پر ظاہر کیا تھا۔ اُنہوں نے ۱۸۷۴ء میں لنڈن میں ایک سوسائٹی مُردوں کو جلانے کے لئے قائم کی۔ اُن کو اس پہلو میں بڑی بھاری کامیابی حاصل ہونے کی امید تھی۔ مگر اُن کے تجارتی خیال نے پبلک کو اس بات سے سخت متنفر کر دیا۔ اُنہوں نے کہا۔ کہ مُردوں کی خاکستر کو کھیتوں میں بطور کھاد ڈالنا چاہئے۔ بڑا فائدہ دیتی ہے۔ لوگ اُن سے متنفر ہو گئے۔ مگر اُن کے وقت سے جلانے کا طریقہ انگلینڈ اور امریکہ دونوں جگہوں میں زور پکڑتا جاتا ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں شمشان بنے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں انگریزوں کے بمبئی اور کلکتہ میں شمشان موجود ہیں۔

یورپ میں جلانے کے حق میں موجودہ ہل چل کی وجہ یہی ہے۔ کہ قبرستان
صحت کے لئے بڑے خطرناک ہیں۔ آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ
قبرستان کا بڑھنا ضروری ہے۔ مگر اتنی زمین کہاں سے آسکتی ہے۔ ہماری
خوش قسمتی ہے۔ کہ اس شہر (کلکتہ) کے ہندو جن کی تعداد کل آبادی
کا ۳/۴ حصّہ ہے۔ اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں۔ ورنہ شہر کی صحت کا سوال
بڑے خطرناک طریقے سے پیش آتا۔ اس میں شک نہیں۔ کہ جلانے کے
برخلاف اس وقت جتنے اعتراض کئے جاتے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ سب
دور ہو جائینگے۔ اور مُردوں کو جلانے کا طریقہ زیادہ مروج ہو جائیگا۔ جب
ایسا ہو جائیگا۔ تب بڑے بڑے عالی شان قبرستانوں کی بھی ضرورت
نہیں رہیگی۔ بلکہ قبرستانوں سے گھری ہوئی زمین انسانی آبادی کے کام
آئیگی۔ جلانے کا اصول بالکل ٹھیک اور ناقابل اعتراض ہے۔ سائنٹفک
رائے اس کے حق میں ہے۔ اور اس کا دن بدن زور سے پرچار ہوتا چلا
جارہا ہے۔ ہم نہیں جانتے۔ کہ اس قسم کے نازک مسئلہ کی ترقی کو۔ جو
صحت کے لئے ضروری ہے۔ انسانوں کے جذبات کہاں تک روکنے
میں کامیاب ہو سکتے ہیں +

# معمولی باتیں

## ا۔ کپڑوں میں آگ

"اندر" کے بعض گذشتہ پرچوں میں حفظ صحت کے متعلق ایسی باتوں پر مضامین نکلتے رہے ہیں۔ جو گو عوام الناس کے نزدیک معمولی تصور کی جاتی ہیں۔ مگر وہ بعض اوقات زندگی اور موت کا سوال بن جاتی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ یہ سلسلہ برابر جاری رہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں آج ہم ایک معمولی سی بات کو پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ اگر کسی مرد یا عورت کے کپڑوں میں آگ لگ جائے۔ تو کیا کرنا چاہئیے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے۔ کہ اگر اس کا کوئی تسلی بخش جواب مل جائے۔ اور عوام الناس اس پر عمل کریں۔ تو بہت سی جانیں جو اُن کی غفلت کی وجہ سے آگ کا شکار ہو جاتی ہیں۔ بچ سکتی ہیں۔ اس سوال کا جواب ایسے سیدھے سادے الفاظ اور آسان طریقہ سے دیا جانا ضروری ہے۔ کہ جس کو چار پانچ سال کا بچہ بھی بخوبی سمجھ سکے۔ اور وقت پڑے پر اُس سے عملی فائدہ اٹھا سکے۔ بچے کے ہاتھ میں ایک ہی قسم ایک ہی پیمانہ کے کاغذ کے دو برابر کے ٹکڑے دیدیجئے۔ اور اُن دونوں کو آگ لگا دیجئے۔ اُن میں سے ایک ٹکڑے کو تو زمین پر پھینکوا دیجئے۔ اور دوسرے کو بچہ کے ہاتھ میں رہنے دیجئے۔ آپ دیکھینگے۔ کہ جس ٹکڑے کو بچہ ہاتھ میں لٹکائے کھڑا ہے۔ اس کو آگ ایک یا دو سیکنڈ میں بھسم کر دیگی۔ اور بچہ اُس کو ہاتھ سے پھینک دیگا۔ مگر جس ٹکڑے کو اُس نے زمین پر پھینک دیا ہے۔ اُس میں

اتنی جلدی آگ اپنا اثر نہیں کریگی۔ بلکہ ممکن ہے۔ پندرہ بیس منٹ میں بھی اس کو نہ جلا سکے۔ ہاں یہ بھی ممکن ہے۔ کہ وہ آدھ میں ہی بجھ جاوے۔ اتنے بھاری فرق کی وجہ کیا ہے۔ اس کی تہ میں یہ اصول کام کر رہا ہے۔ کہ آگ کا شعلہ اوپر کی طرف اٹھتا ہے۔ اس کی رفتار پہلو کی نسبت اوپر کی طرف زیادہ تیز ہوتی ہے۔ جس کاغذ کو بچہ نے ہاتھ میں پکڑ رکھا۔ وہ عمودی ہونے کی وجہ سے شعلہ کی عین زد میں تھا۔ اس لئے وہ جلدی بھسم ہو گیا۔ مگر جس ٹکڑے کو اُس نے زمین پر لٹا دیا تھا۔ وہ شعلہ کے قدرتی راستہ میں نہیں تھا۔ اس لئے وہ بہت دیر میں جلا۔ گویا پہلی صورت میں کاغذ کو شعلہ کے راستہ میں رکھ دیا گیا تھا۔ اور دوسری صورت میں آگ کو کاغذ کی طرف خود راستہ بنانا پڑا۔ اگر آگ زبردست ہے۔ تو وہ راستہ بنانے میں کامیاب ہوگی۔ اگر کمزور ہے۔ تو وہ ایک کمزور مسافر کی مانند آدھ میں ہی تھک کر رہ جائیگی۔ اب اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے بچوں کو اس بات کے سمجھانے کی ضرورت ہے۔ کہ اگر اُن کے یا اُن کے کسی ساتھی کے کپڑوں میں آگ لگ جاوے۔ تو کیا کرنا چاہئے۔ جیسا کاغذ کے دو ٹکڑوں کی مثال میں دکھایا گیا ہے۔ پہلی بات تو یہ کرنی چاہئے۔ کہ اگر کپڑوں میں آگ لگ جاوے۔ تو فوراً زمین پر چت لیٹ جانا چاہئے۔ چت کیوں لیٹ جانا چاہئے؟ اس لئے کہ شعلہ کا قدرتی رخ اوپر کو ہوتا ہے۔ جیسا کہ کاغذ کی مثال میں دکھایا گیا۔ چت لیٹنے میں گویا ہم اپنے آپ کو شعلہ کے قدرتی راستہ سے الگ کر لیتے ہیں۔ اور کھڑا رہنے میں ہم اپنے آپ کو اُس کے راستے میں پھینک دیتے ہیں۔ ایسا کرنے سے وہ پہلے تو ہمارے تمام کپڑوں کو ہڑپ کر لیگا۔ اور پھر ہمارے سر اور مُنہ کو جُھلس دیگا۔ ممکن ہے۔ ہمارے تمام جسم کو ہی جلا کر خاک سیاہ کر دے۔ مگر زمین پر چت لیٹ جانے سے شعلہ کی تندی بہت کم ہو جائیگی۔ اور اس کو ہمارے سر یا منہ تک پہنچنے میں بہت دیر لگیگی۔ کپڑوں میں آگ

لگنے پر کھڑے رہنا اور زمین پر چت نہ لیٹ جانا بڑا خطرناک ہے۔ اور بھاگنے لگ جانا تو اور بھی خطرناک ہے۔ اس سے ایک تو آگ کو قدرتی راستہ مل جاتا ہے۔ دوسرے بھاگنے میں مخالف سمت کی ہوا آگ کو اور بھی دوبالا کر دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند سیکنڈوں میں ہی صفائی ہو جاتی ہے۔ یہ تو ہوئی پہلی ہدایت۔ زمین پر لیٹ کر آگے کیا کرنا چاہیئے۔ پہلی بات تو یہ ہونی چاہیئے کہ کسی پاس کے شخص کو مدد کے لئے آواز دینی چاہیئے۔ اگر کوئی بھی مدد کو نہ پہنچے۔ تو زمین پر لوٹنے لگ جانا چاہیئے۔ اگر کوئی ایسی چیز پاس پڑی ہو۔ جو آگ کے بجھانے میں مدد دے سکتی ہو۔ تو لوٹتے ہوئے ہی اس کو لے لینا چاہیئے اس سے آگ بجھانے میں مدد ملیگی۔ لیکن اگر کوئی شخص مدد کے لئے پاس موجود ہو۔ تو بہت ہی اچھا ہے۔ مگر پاس والے مرد یا عورت کو کن کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اُن کا جاننا لینا ضروری ہے۔ جب وہ دیکھیں۔ کہ کسی کے کپڑوں میں آگ لگ گئی ہے۔ تو اُن کا پہلا فرض یہ ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اُس کو زمین پر چت لیٹنے کے لئے تاکید کریں۔ اگر وہ لیٹنے سے انکار کرے۔ تو اس کو زبردستی زمین پر لٹا دینا چاہیئے۔ مگر زبردستی چت لٹانے میں یہ اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ کہ لٹانے والے کے کپڑوں میں بھی آگ نہ لگ جاوے۔ اس سے بچنے کے لئے آسان طریقہ یہ ہے۔ کہ جلنے والے یا جلنے والی کے جسم پر کوئی بھاری کمبل یا رضائی ڈال دینی چاہیئے۔ اور پھر اس میں لپیٹ کر اُسے زمین پر لٹا دینا چاہیئے۔ اگر وہ اپنی مرضی سے ہی زمین پر لیٹ جلئے۔ تو بجھانے والے کو کوئی کمبل۔ رضائی یا کوئی اور اسی قسم کا بھاری کپڑا لیکر آگ بجھانے کے لئے مستعد رہنا چاہیئے۔ اگر اس قسم کی کوئی چیز نہ ملے۔ تو اپنا کوٹ ہی اُتار کر آگ بجھانے میں مدد دینی چاہیئے۔ آگ کو کیونکر بجھانا چاہیئے۔ اُس کے لئے نہایت ہی عمدہ طریقہ یہ ہے۔ کہ بجھانے والے کو کمبل یا رضائی لیکر جلنے والے کے سر کی طرف

کھڑا ہو جانا چاہیئے۔ کمبل کا ایک سرا اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر اور دوسرا ہاتھ میں اوپر پھیلا کر جلنے والے پر سر کی طرف سے پاؤں تک ڈالدینا چاہیئے آگ کو ہمیشہ سر کی طرف سے بجھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ علے ہذالقیاس کمبل بھی ہمیشہ سر کی طرف سے ہی ڈالنا چاہیئے۔ جب کمبل ڈال دیا جاوے۔ تو جلنے والے کو اس میں اچھی طرح لپیٹ دینا چاہیئے۔ تاکہ کسی طرف سے ہوا شعلہ تک نہ پہنچ سکے۔ اگر ہوا پہنچتی رہیگی۔ تو آگ کے بجھنے میں زیادہ دیر لگیگی۔ اور ممکن ہے نا بھی بُجھے۔ اس لیئے جہاں تک ہو سکے۔ ہوا کو روکنا چاہیئے۔ آگ بجھاتے وقت اپنے کپڑوں کی احتیاط رکھنی ضروری ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ کسی عورت کے کپڑوں میں آگ لگ گئی پاس کی کسی عورت نے یونہی اندھا دھند اس پر ہاتھ مارنے شروع کر دیئے نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کے کپڑوں میں بھی آگ لگ جاتی ہے۔ اور دونو جل کر خاک سیاہ ہو جاتی ہیں۔ جب آگ بجھ جائے۔ تو کسی لائق حکیم یا ڈاکٹر کو بُلا کر آبلوں کا اگر تھوڑے بہت پڑ گئے ہوں۔ باقاعدہ علاج کروانا چاہیئے۔ کپڑوں میں لگی ہوئی آگ کو بجھانے کے لئے جلنے والے پر پانی ہرگز نہیں ڈالنا چاہیئے۔ بلکہ ہمیشہ اس کو کمبل یا رضائی کے ٹکڑے کے ذریعہ مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق بجھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کہیں اس سے یہ مطلب نہ سمجھ لیا جاوے۔ کہ کپڑوں کی طرح اگر مکان میں آگ لگ جاوے۔ تو وہاں بھی پانی نہ ڈالا جاوے۔ نہیں۔ مکان کی آگ کو بجھانے کے لئے پانی سے کام لینا چاہیئے۔ وہاں کمبل اور رضائیوں سے مکان کو ڈھانپنے کی کوشش کرنا جگت ہنسائی کا موجب ہوگا ✦

---

# وکیل حیوانات

انسانوں کی وکالت کے لئے۔ انسانوں کے دکھوں کو دور کرنے کے لئے۔ اُن کی آواز کو حاکم اعلےٰ تک پہنچانے کے لئے اور ظالموں کے برخلاف مظلوموں کو ڈگری دلانے کے لئے دنیا کے ہر ایک طبقہ میں وکیل موجود ہیں۔ اور اُن کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ مگر افسوس دنیا میں ایسا کوئی سکول یا کالج نہیں ہے۔ جہاں اس قسم کے وکیل تیار ہو رہے ہوں۔ جو حیوانوں کی وکالت کریں حیوانوں پر جس قدر ظلم ہو رہے ہیں۔ اُن کو سامنے لا کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی مہذب گورنمنٹ ان کی وکالت کا ذمہ اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ زمانہ خاک پرست ہو رہا ہے۔ زر پرست ہو رہا ہے۔ اگر حیوانات کے پاس وکیلوں کی فیس ادا کرنے کے لئے روپیہ موجود ہوتا۔ تو دنیا میں بہت سے انسان اُن کی وکالت کرنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ مگر خود غرض انسان بلا فیس اُن کے لئے مقدمہ لڑنا نہیں چاہتے۔ ایسی ابتر حالت میں جبکہ نہ صرف اُن کی وکالت کے لئے ہی انسان تیار نہ ہوں۔ بلکہ اُلٹا اُن کو کھاتے چلے جاتے ہوں۔ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آخر ان بیکسوں کی وکالت کون کریگا!! اگر کسی طرف سے اس بارے میں ذرا سی صدا بھی اٹھتی ہے۔ تو قدرتاً ہماری ہمدردی اس طرف کھچ جاتی ہے۔ "اندر" کے کسی پچھلے پرچہ میں ایک خاص کتاب کا جس کی سرخی اوپر دی گئی ہے۔ ریویو کیا جا چکا ہے۔ اس کتاب میں مصنّف نے عقلی و نقلی دلائل

سے گوشت خوروں کے خلاف زبردست مصالح جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ
پراچین زمانہ کے فلاسفروں کی گوشت خوری کے برخلاف سند پیش کرتے
ہوئے مصنّف نے جو ثبوت پیش کئے ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے :-
"یونان کے چند دیگر علماء اور حکماء کی مانند پائیتھاگورس نے جسے فارسی
زبان میں فیثاغورس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ گوشت خوری کے برخلاف
اپنی زوردار آواز اٹھائی تھی۔ محققین نے یہ امر ثابت کر دیا ہے کہ فیثاغورس
عملاً بدھ مت کے اصولوں کا ماننے اور پرچار کرنے والا عالم ہو گزرا ہے۔ جب
پلوطارق نے گوشت خوری کے برخلاف اپنا شمشیر قلم اُٹھایا تو اُس نے جگہ بجگہ
فیثاغورس کے خیالات کا ذکر کیا۔ اور اُسی خیال کی تائید میں چند مدلل اور
معقول اثبات بھی پیش کئے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں :-
"آپ پوچھتے ہیں۔ کہ فیثاغورس نے کن وجوہات کی بنا پر جانداروں کے
گوشت کھانے سے پرہیز کیا تھا۔ (اس سادہ سوال کے جواب میں) میں بذات
خود حیران ہوں۔ کہ کن خیالات۔ کیسے دل اور کن دلائل سے سب سے پہلے
انسان نے حیوانات کے چھیچھڑوں سے آلودہ خون سے اپنی زبان کو ناپاک
کیا۔ اور اپنے ہونٹوں کو مُردار گوشت کے چھُونے کی اجازت دی۔ اور وہ کس
قسم کا انسان ہوگا جس نے مُردہ لاشوں کی تتر بتر خوفناک شکلوں کو اپنے دسترخوان
پر آنے دیا۔ یا دلیرانہ جس نے دعوےٰ کیا۔ کہ روزانہ خوراک اور نفیس کھانوں کی
فہرست میں گوشت کی رکابیاں بھی شمار کی جاویں اور وہ گوشت بھی کن جانوروں
کا جو ابھی زندہ حرکات اور سکنات کرتے اور میٹھی میٹھی سُریلی آوازیں نکال رہے تھے۔
اس کی آنکھیں کس طرح بال اور کھال نوچے ہوئے اور ٹوٹے پھوٹے بد
وضع اعضائے کے خوفناک نظارے کو دیکھنا گوارا کر سکیں یا اس کی قوت لامسہ
کس طرح اس خوفناک اور اعلےٰ درجے کی بدبُو کو برداشت کر سکی میں دریافت
کرتا ہوں۔ کیسے اُس کی زبان یا ذائقہ کی طاقت بھنتے ہوئے زخموں کو چاٹ

اور چاکھ کر بیماری کے آنے والے ہیبت ناک بد اثرات سے محفوظ رہ سکی ہوگی۔ جبکہ گندے خون میں مصالحے ملائے گئے ہونگے"۔

اگر ایسا انسان یا اس کے بھائی بن جوابتدا لے آفرنیش (یہ مغربی لوگوں کا غلط خیال ہے) میں اپنی ضروریات مہیّا نہ کرسکنے کے باعث جانوروں کو مار کر کھاتے اور زندگی بسر کرتے تھے۔ اب وہ دوبارہ انسانی جامہ کو پہن لیویں اور قوت گویائی حاصل کرسکیں۔ تو وہ اپنے موجودہ خیالات کا ذیل کے الفاظ میں اظہار کرینگے:۔

"اے نیک مرد۔ اور قادر مطلق کے پسندیدہ اور خوش نصیب انسانو! آپ اس زمانہ میں کیسی اچھی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں آپ کا زمانہ نہایت ہی عمدہ اور خوش قسمتی کا زمانہ ہے۔ آپ بیشمار اقسام کی اعلےٰ سے اعلےٰ نباتات بوتے اور پھل و فصل اُٹھاتے ہیں۔ اور جنہیں (مہربان ماتا) پرتھوی بلا حیل وحجت آپ کے لئے پیدا کرتی ہے۔ میدانوں اور کھیتوں سے کیسی کیسی نعمتیں آپ کو میسر ہوتی ہیں۔ آپ کے چہار دانگ سبزہ زار اور نباتات اُگ رہی ہے بلا کسی قسم کے گناہ کئے یا بغیر ظلم وستم کے کون کون سے خوشی کے ایسے سامان ہیں۔ جو آپ کے احاطہ اختیار میں نہیں۔ اور کونسی قیمتی فصل حاصل کرنے سے آپ معذور ہیں۔ آپ تو عمدہ سے عمدہ خوراک کے سامان حاصل کرسکتے ہیں آپ کو بلا گناہ کئے اور بغیر جانوروں کے خون سے ہاتھ رنگنے کے سب کچھ بہم پہنچ رہا ہے جبکہ ہم اپنے گزارہ کے لئے نہایت ہی وحشیانہ طریق اور ناقابل قیاس ہیبتناک بیدردی سے ان عاجز اور بیکس مخلوق کو مارتے اور کھاتے تھے"۔

وہی مصنف ان بے بس حیوانات کی قابل رحم حالت پر رحم کرتے ہوئے تحریر فرماتا ہے:۔

"ان کے گوشت کے قلیل سے حصّے کے لئے ہم انہیں سورج کی شاندار روشنی سے محروم کردیتے۔ اور اُس زندگی کے خوشی بخوشی گذارنے سے جس کے لئے خالق نے انہیں پیدا کیا ہے۔ روک کر ہم مداخلت بیجا کرتے ہیں (خیال کیجئے)

وہ کیسی دردانگیز چیخ ہوتی ہے۔ جبکہ وہ قتل کئے جاتے وقت ڈرتے۔ کانپتے۔ اڑتے اور چاروں طرف بھاگتے ہوئے کولاہل مچاتے ہیں۔ ہم اُن کی اس آواز کو چاہے مہمل اور بے معنی سمجھیں۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے۔ کہ وہ دلی التجا۔ اور مودبانہ گذارش کرتے ہیں۔ اور ہمیں (اپنے زور آور آواز سے) پرارتھنا کرتے ہوئے سناتے ہیں۔ کہ اے انسانو! آپ کی اصلی ضروریات اور مناسب خواہشات کی سیری کے لئے ہم حیران اور آزردہ دل نہیں ہوتے۔ لیکن آپ کی ناواجب اور بیہودہ تمناؤں کو پورا کرنے کے لئے ہم بھی اپنی رضامندی سے تیار نہیں اگر فی الواقعہ آپ کو ضرورت بھی ہو۔ تو اصل بھوک کے مٹانے کے لئے ہم پر ظلم روا رکھو۔ لیکن محض زبان کے چسکے کے لئے ہمیں اس پیاری زندگی سے محروم نہ کرو"+

جو لچر۔ پوچ اور بیہودہ خیال گوشت خوری کی تائید میں آجکل پیش کیا جاتا ہے۔ وہی خیال دو ہزار برس پہلے یونان کی سرزمین میں رہنے والے تربیت یافتہ لوگوں میں موجود تھا چنانچہ وہی مصنف آگے جاکر معترض کے جواب میں تحریر فرماتا ہے۔

"خیر اب ہم اُن اصحاب کی دلائل یا خیال کی پڑتال کرتے ہیں جو کہتے ہیں۔ کہ گوشت خوری کا عمل فی الحقیقت قدرت کی منشا کے عین مطابق ہے۔ انسان گوشت خور نہیں۔ یہ امر سب سے پہلے تو اس کی جسمانی بناوٹ سے ہی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ انسانی جسم کی گوشت خور درندوں کی بناوٹ سے ہرگز مشابہت نہیں۔ نہ اس کی ٹیڑھی چونچ۔ نہ اس کا تیز اور نوکیلا پنجہ۔ اور نہ ہی تیز چیرنے والے دانت ہیں۔ اس کے معدہ کی طاقت بھی زیادہ نہیں جو اُسے چبانے اور موٹے و سخت گوشت کے ہضم کر سکنے میں مدد دے۔ اور نہ ہی اُن درجہ کی بدن میں حرارت ہے۔ برخلاف اس کے اُس کے دانتوں کی صفائی۔ اُس کے مُنہ کا چھوٹا پن۔ اُس کی زبان کی نرمی اور اُس کے اعضائے ہاضمہ کی مقابلتاً سستی ثابت کرتی ہے۔ کہ قدرت نے اپنی زوردار اور پُرمعنی آواز سے انسان کو گوشت کے استعمال کرنے سے منع کر دیا ہے +

اگر باوجود ان ناقابل تردید امور کے آپ اصرار کرتے جاویں کہ قدرت نے بیشمار اقسام کے پرند و چرند کو آپ کی جائز خوراک قرار دیا ہے۔ تو میں کہونگا۔ کہ سب سے پہلے جو کچھ آپ کھانا چاہیں۔ اُسے اپنے دست مبارک سے ہلاک کیجئے۔ لیکن پکڑنے۔ مارنے۔ چیرنے صاف کرنے اور پکانے وغیرہ کے جملہ کام آپ خود ہی انجام دیں۔ یہی نہیں۔ بلکہ محض اپنے قدرتی اوزاروں سے جس سے کہ قصاب کی تیز چھری مصفّا چاقو اور آبدار کلہاڑی کی ضرورت نہ پڑے۔ بلکہ سارا عمل آپ سے ایسی آسانی سے کیا جاوے۔ جیسا کہ شیر بھیڑئے اور ریچھ وغیرہ جو کچھ وہ کھاتے ہیں۔ اُسے خود شکار کرتے۔ چیرتے اور پھاڑتے ہیں۔ پس (مناسب ہے) کہ آپ بھی اُسی طرح بیل۔ بکری۔ بھیڑی یا دُنبے وغیرہ کو خود پکڑئے مارئے پکائے اور نوش فرمائے +

اوّل تو یہ جانور آپ سے دور رہینگے۔ بالفرض آپ اُنہیں مار بھی لیں تو اُن کی دردناک حالت دیکھکر آپ ہرگز اپنے پیٹ کو اُن کا قبرستان بنانا منظور یا گوارا نہیں کرینگے۔ بلکہ اگر ایک بھی جانور کی دردناک موت کے نظارے کا آپ غور سے ملاحظہ کرلیں۔ تو ممکن بلکہ اغلب ہے کہ آپ قصاب خانہ سے تیار ہوکر آئے ہوئے گوشت کو بھی کھانا منظور نہ کرینگے۔ چہ جائے۔ کہ وہی گوشت بلا اُبالنے۔ بھوننے اور آگ پر لگا کر مصالحے لگائے بغیر آپ کی سیری کا باعث بن سکے آپ بالکل اُس کی ہیئت کو تبدیل کردیتے اور بھیس بدل کر مقتول کے گوشت میں خوش ذائقہ اور خوشبودار مصالحے اور جڑی بوٹیوں کے سفوف کو ملا دیتے ہیں۔ تاکہ آپ کی زبان بدذائقے کو نہ پہچانے اور آپ کے دھوکے میں آجاوے۔ اور خلاف منشاے قدرت بد ذائقہ لیکن تبدیل شدہ لباس میں اُس (مکروہ) خوراک کو کھانے اور پسند کرنے کے لئے تیار ہو +

کیا آپ کو شرم نہیں آتی۔ کہ آپ ظلم اور قتل ہر دو (گناہوں) کے مرتکب بن کر اُن کے نیک اعمال اور فوائد کو اپنی بے انصافی سے ملا رہے ہو۔

دوسرے گوشت خور درندوں کو آپ جنگلی اور تند خو کے بُرے نام سے ملقب کرتے ہو۔ بلکہ شیر۔ چیتے اور سانپ وغیرہ جانوروں کا تو نام ہی ظالموں کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے۔ جبکہ آپ خود اُن کی مانند (بیکسوں کے) خون میں ہاتھ رنگتے ہوئے بھی وحشی بننے کی کسی حالت میں شمار نہیں کئے جاتے تعجب ہے۔ کہ اُن کے لئے اپنے سے کمزور حیوانات کا شکار کرنا ہی زندگی کا کام اور گذران کا موجب ہے۔ جبکہ آپ کے لئے گوشت خوری محض عیش و عشرت کا سامان ہے۔ خیال تو کیجئے کہ شیر اور بھیڑئے کو تو ہم ہرگز نہیں کھاتے۔ جیسا کہ ہمیں اُس صورت میں مناسب تھا۔ جب ہم اپنے بچاؤ کا بہانہ پیش کرتے۔ برخلاف اس کے ہم اُن کو اپنی بُزدلی اور کم ہمتی سے زندگی بخش دیتے اور بیچارے بیگناہ لاچار اور عاجز بھیڑ۔ بکری گائے دُنبے۔ خرگوش اور مرغ وغیرہ کو اپنی شجاعت کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ بیچارے جانور ایک تو پالتو۔ دوسرے اُن کے پاس اپنے بچاؤ کے سامان نہیں۔ اسی لئے انہیں کا ہم شکار کرتے اور کامیاب ہو بہادر کہلاتے ہیں۔ قدرت نے انہیں اپنے بچاؤ کا سامان نہ دے کر ہمارے سپرد بطور امانت رکھا ہے۔ تا کہ اُن کی خوبصورتی اور خوش وضع اطوار و اشکال ہمارے بہلاوے کا سامان ہوں۔ ان کا دودھ ہماری خوراک بنے۔ اور ان کے جسم ہماری واجب اور جائز ضروریات کے لئے خدمات بجا لاویں۔ گوشت خوری کا عمل صرف ہماری جسمانی بناوٹ کے لحاظ سے ہی خلاف منشا قدرت نہیں۔ بلکہ اس کے استعمال سے ہی ہماری دماغی اور روحانی قوائے بھدی اور موٹی ہو جاتی ہیں۔ ممکن ہے۔ گوشت خوری اور شراب نوشی سے کچھ عرصہ کے لئے جسم پر رونق اور چہرے پر بشاشت کے آثار پیدا ہو جاویں۔ لیکن یہ ہر دو بد عادات دماغی نشو و نما کو روکنے۔ اور ان کے قوائے کے کمزور کر دینے میں ضرور کامیاب ہو جاتی ہیں۔

# بلائنڈ مینز بف

## (Blind man's buff)

ہمارے ملک میں بدیشی چیزیں دن بدن زور پکڑتی جاتی ہیں۔ بدیشی چیزوں کے مقابلہ میں سودیشی چیزیں کم ہوتی جارہی ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے کھیل بھی دن بدن بدیشی ہوتے جاتے ہیں۔ کرکٹ۔ فٹ بال۔ ہوکی۔ بیڈمنٹن۔ ٹینس وغیرہ کا تو عام رواج ہوگیا ہے۔ مگر ہمارے ملک کے لڑکوں میں ایک اور بدیشی کھیل بھی آہستہ آہستہ گھستی چلی جارہی ہے۔ اس کھیل کا نام بلائنڈ مینز بف ہے۔ شاید بہت سے لوگوں نے اس کا نام بھی نہیں سنا ہوگا۔ ہمارے ملک میں اس کھیل کی پلیگ کے جرمز انگلینڈ سے آئے ہیں۔ اور ان جرمز کے لانے والے اکثر وہی دیسی لوگ ہیں۔ جن کو کبھی ولایت جانے کا موقع ملا ہے۔ اور جنہوں نے وہاں کے مختلف کھیل تماشوں کا بغور ملاحظہ کیا ہے۔ اس کھیل کے کھیلنے کا طریقہ یہ ہے۔ کہ بہت سے بچے ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ پہلے اس بات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ کہ "اندھا" کس کو بنایا جاوے۔ اس فیصلہ کے لئے سب بچے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر گول دائرے کی شکل میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے کے ہاتھ کو بڑی پھرتی سے چھوڑ کر اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر مارتے ہیں اُن کا اختیار ہے۔ کہ خواہ وہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر ماریں۔ خواہ دائیں ہاتھ کی پشت کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر ماریں۔ جب وہ ایسا کر چکتے ہیں۔ تو یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ اُن سب میں "نیارا" کونسا ہے۔

جو "نیارا" ہوتا ہے۔ وہ پاس ہو جاتا ہے۔ باقی سب کو پھر اسی طرح ہاتھ
پر ہاتھ مارنا پڑتا ہے۔ غرضیکہ جو سب سے اخیر رہ جاتا ہے۔ اُس کی شامت
آجاتی ہے۔ وہی "اندھا" بنایا جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں پر زور سے پٹّی
باندھ دی جاتی ہے تاکہ اُس کو کچھ نظر نہ آسکے۔ پٹّی باندھ کر اُس کو چکّر دیا جاتا
ہے۔ اور اُس محدود دائرہ کے اندر جو پہلے سے مقرر ہوتا ہے۔ اُس کو پھینک
دیا جاتا ہے۔ اس دائرہ سے باہر کوئی بچہ نہیں جا سکتا۔ اگر باہر چلا جاوے۔
تو پھر اُس کو "اندھا" بنایا جاتا ہے۔ جب پٹّی باندھ کر اُس کو دائرے کے اندر
پھینک دیا جاتا ہے۔ تو سمجھو۔ کہ اب غریب کی شامت آگئی۔ کوئی اس کے
سر پر چٹاق لگاتا ہے۔ کوئی اُس کو دھکا دیکر دوسری طرف پھینک دیتا
ہے۔ جب وہ ادھر سے اٹھتا ہے۔ تو پھر دوسری طرف سے سر پر چٹق لگتی ہے۔
کوئی بیچارے کے چٹکی لیتا ہے۔ کوئی دھول جڑ دیتا ہے۔ یہ تو ہوتا ہے اس
اندھے کے ساتھ برادرانہ سلوک۔ مگر اندھا بھی اپنی باری میں جان توڑ کر
کوشش کرتا ہے۔ کہ کوئی اڑنگے چڑھ جائے۔ چاروں طرف ہاتھ مارتا رہتا
ہے۔ کہ کسی کو پکڑوں یا ہاتھ لگادوں۔ اُس غریب کے ہاتھوں پر بھی خوب
رسید کی جاتی ہیں۔ مگر اس کو پتہ نہیں لگتا۔ کہ کون لگا رہا ہے۔ کیونکہ لگانے
والا چپ چاپ ہی رسید کرتا ہے۔ اگر بول کر لگانے آئے۔ تو شاید اندھے
کے چنگل میں جا پھنسے۔ جب بڑی جد و جہد اور مار پیٹ کے بعد اندھا
کسی کو ہاتھ لگا دیتا ہے۔ تو اُس کی رہائی ہو جاتی ہے۔ اور جو چھوا گیا ہے۔
اُس کی باری آجاتی ہے۔ اب اس نئے شکار کی آنکھوں پر حسب دستور
پٹّی باندھ دی جاتی ہے۔ اور کھیل پھر شروع ہو جاتا ہے۔ اور غریب سور داس
کی گت بننے لگتی ہے۔ غرضیکہ جب تک کھیل جاری رکھنا ہو۔ اسی طرح سے
کیا جاتا ہے۔ انگریزی میں اس کھیل کا نام بلائنڈ مینز بف ہے۔ مگر اس
کی ابتدا فرانس میں ہوئی تھی۔ یہ بہت ہی پرانا کھیل ہے۔ فرانس میں اس

کو کالن میلرڈ (colin-maillard) کہتے ہیں۔اس
کی وجہ تسمیہ یہ ہے۔کہ ۹۹۹ء میں فرانس میں ایک شخص جین کالن
نامی سردار تھا۔جو فن محاربہ میں بڑا طاق اور گرزرانی میں بڑا امشاق تھا۔
گرزرانی کی وجہ سے اس کا نام بجائے جین کالن کے کالن میلرڈ ہوگیا تھا۔
ان دنوں میں فرانس چھوٹے چھوٹے قبائل میں منقسم تھا۔جن میں ہمیشہ
جنگ وجدل رہتی تھی۔کالن میلرڈ کی کاونٹ لووین سے لڑائی چھڑ گئی۔
عین ابتداء جنگ میں میلرڈ کی دونوں آنکھیں زخمی ہو گئیں۔اور وہ بالکل
اندھا ہوگیا۔اس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔کہ مجھے دشمن کی فوج میں لیجلو۔
اور جہاں پر اُن کا جم غفیر ہو۔وہاں چھوڑ دو۔چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔اس
اندھے کو دشمنوں کی بھیڑ بھاڑ میں چھوڑ دیا گیا۔جب دشمن اس کے اردگرد
جمع ہوگئے۔تو اس بہادر نے اپنا گرز اُٹھا کر اندھا دھند مارنا شروع کر دیا۔
جو سامنے آیا پِس گیا۔جس کے سر پر لگا جہنم رسید ہوگیا۔جس قدر دشمن اس
کے نزدیک آتے ہیں۔اُسی قدر مارے جاتے تھے۔غرضیکہ اس اندھے نے
گھنٹوں تک دشمنوں کے سر پھوڑے۔آخر کار وہ سب کے سب بھاگ نکلے۔
اور اس اندھے کی فتح ہوئی۔جب فرانس کے رابرٹ بادشاہ نے کالن میلرڈ
کی اس حیرتناک بہادری کا حال سنا۔تو اُس نے اُس کی بڑی تعریف کی۔
اُس کو انعام واکرام سے مالامال کر دیا۔کالن میلرڈ کی یہ کارگزاری یہاں تک
مشہور ہوئی۔کہ تھیئٹروں میں اُس کی نقلیں اُتاری جانے لگیں۔جب نارمن
لوگوں نے انگلینڈ کو فتح کیا۔تو وہ اس کھیل کو بھی وہاں ساتھ ہی لے گئے۔
انگلینڈ والوں نے جہاں نارمن لوگوں کی دوسری باتوں کو اختیار کر لیا۔
وہاں اس کھیل کو بھی اپنی دیسی کھیلوں میں جگہ دی۔اسی طرح جہاں ہمارے
ہاں کے بابو لوگوں نے انگلینڈ والوں سے ڈیم۔فول سیکھا۔وہاں اس کھیل
کو بھی سیکھ لیا کھیل تو اچھا ہے۔بشرطیکہ کھیلنے والے شرارتی نہ ہوں +

"آریہ سماج کے پرچار نے اسلامی کیمپ میں کیا ہلچل برپا کی ہے۔ اس پر روشنی ڈالنے کے لئے مہاشہ ستیہ پال جی نے اپنے مفصلہ ذیل مضمون میں کوشش کی ہے۔ ہم اُس کو "اندر" کے ناظرین کی دلچسپی کے لئے درج کرتے ہیں۔ ایڈیٹر"

ویدک دھرم کے پرچار کا اثر اسلام پر کیا پڑا۔ وہ مختصر طور پر یہ ہے۔ کہ قبل از ظہور ویدک دھرم اسلام دیگر مذاہب پر اپنی روشنی کا پرتو ڈال کر مثل روشنئ ستارگان ماند کر دینے کا مدعی تھا۔ اس کا یہ دعوے ایک درجہ تک بیجا بھی نہ تھا۔ کیونکہ محمد صاحب نے یہود و نصارا وغیرہ و دیگر مذاہب کی جانچ پڑتال کر کے جو کہ اُس وقت عرب کے اطراف و جوانب میں فروغ پذیر تھے۔ اُن سب میں ترمیم و تنسیخ کر کے اُس زمانہ کی حالت کے موافق قرآن کو مرتب کیا تھا۔ مگر آج وہی اسلام ویدوکت تعلیم کے نیچرل اور جامع اصولوں کے آگے سر تسلیم خم کر کے اپنے اُن اصولوں کو جن کو وہ کل فخریہ غیر مذاہب کے آگے پیش کرتا تھا۔ اور کسی کو مجال نہ تھی۔ کہ اُن پر انگشت نمائی کر سکے۔ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور و بے وقعت محسوس کر کے ترمیم

کرنے پر مجبور ہوگیا ہے - وہ اصول جن کو کہ ادنےٰ طبقہ کے مسلمانوں سے
لے کر علماء معتبر ین تک جزو ایمان جانتے تھے - چنانچہ اکثر علماء نے فقہ
کو چھوڑ دیا ہے - اور بعض نے اس سے بھی آگے قدم بڑھانے کا حوصلہ کیا
ہے - اور بہت سی احادیث کو نا قابل عمل مان لیا - اور بعض نے اس پر
بھی اطمینان قلب نہ دیکھکر مطلق کل احادیث کو ہی خیر باد کہدیا - اور
قرآن کے اُن خلاف عقل مسائل کو بھی جن کو اہل اسلام لکیر کے فقیر تقلید
کا قلادہ ڈال کر آج تک مانتے چلے آتے تھے - یک لخت اُلٹ پلٹ کر ڈالا
ناظرین کی آگاہی کے لئے میں چند ایک مسائل جن کو اہل اسلام نے
ویدوکت تعلیم سے مستفیض ہو کر درست کرنے کی کوشش کی ہے - پیش
کرتا ہوں - روح کے بارے میں قرآن امر ربّی کہکر خاموش ہو گیا - مگر
آج علماء اسلام ہر طرح سے کوشش کر رہے ہیں - کہ کوئی قابل اطمینان
تحقیق ہو - ایک فرقہ نے مان لیا ہے - کہ روح قدیم ہے - چنانچہ مرزا حیرت
صاحب دہلوی مفسر قرآن نے اپنے مقدمتہ القرآن میں لکھ دیا ہے - کہ روح
قدیم اور باقی ہے - اس کو ہرگز فنا نہیں - اسی طرح اہل اسلام کے نزدیک
مادہ حادث تھا - مگر مولوی شبلی جیسے محققوں نے بدلائل مان لیا - کہ مادہ
قدیم ہے - جب سوامی جی نے مسئلہ طلاق پر اعتراضات کر کے بتلایا - کہ
یہ امر سخت مذموم ہے - تو آج مولوی عبد اللہ جیسے عالم نے اس طریقہ طلاق
سے جو اسلام میں جاری ہے انکار کر دیا - عام طور پر علماء اسلام کا یہ عقیدہ تھا
کہ توریت اور زبور یکے بعد دیگر منسوخ ہوتے رہے ہیں - اور کہ محمد صاحب
کے وقت سے قرآن ہی ایک الہامی کتاب ہے - باقی سب کتب منسوخ
ہو گئیں - اس پر جب آریہ سماج کی طرف سے اعتراض ہوا - کہ کیا خدا عالم الغیب
نہیں - جو آج کچھ قانون جاری کرتا ہے - کل اس کو منسوخ کر کے دوسرا
قانون اور پھر اس سے بھی دنیا کا انتظام چلتا نہ دیکھ کر تیسرا حکم بھیج دیتا

ہے۔ یہاں تک کہ قرآن میں بھی بعض آیات منسوخ اور بعض حکم منسوخ موجود ہیں۔ یہ عجیب غیب دانی ہے۔ آخر اہل اسلام کے ایک فرقہ نے اس سے بھی انکار کر کے یہ اصلاح کی۔ کہ قرآن نے توریت اور زبور کسی کتاب کو منسوخ نہیں کیا۔ اور نہ ہی قرآن میں کوئی ایسی آیت ہے۔ جو منسوخ ہو۔ اسی طرح جب آریہ سماج کا ہندوؤں کے ساتھ شرادھ کے بارے میں مقابلہ ہؤا۔ اور اہل اسلام نے مردے کو ثواب نہ پہنچنے کے مباحثے دیکھے۔ تو علماء اسلام میں بھی اختلاف پیدا ہؤا۔ بعض نے کہا مالی ثواب پہنچتا ہے۔ مگر بعض نے من کل الوجوہ مردے کو ثواب پہنچنے سے انکار کر دیا۔ ہر ایک مسلمان کا عقیدہ تھا۔ کہ محمد صاحب گنہگاروں کی سفارش یا شفاعت کر کے اُن کو بہشت میں لے جائینگے۔ مگر آریہ سماج کے پرچارکوں کی گونجتی ہوئی آوازیں علماء اسلام کے کانوں میں پے در پے پہنچتی رہیں۔ کہ ہر شخص کو اپنی نیکی و بدی کی جزا سزا ضرور بھگتنی ہوگی۔ خدا کے انصاف کے آگے کسی کی سفارش نہیں چلیگی۔ پیغمبروں کی سفارش کا قصّہ بالکل بے بنیاد ہے۔ آخر ایک گروہ نے سچائی کو قبول کیا۔ اور مان لیا۔ کہ بے شک محمد صاحب کی سفارش یا شفاعت کا قصّہ بالکل غلط ہے۔ دیکھو تحریرات مولوی عبد اللہ چکڑالوی عرش کا مسئلہ بھی اسلام کا ایک عجیب مسئلہ ہے۔ کہ خدا کا عرش ساتویں آسمان پر ہے۔ اور اُس پر خداوند کریم قرار گرفتہ ہے۔ آریہ سماج کی بدولت سینکڑوں مسلمان اس لچر خیال سے باز آگئے۔ مولوی عبد اللہ چکڑالوی لکھتے ہیں۔ کہ زبان عرب میں عرش عزت اور سلطنت سے مراد ہے۔ پس اگر عرش سے خدا کی سلطنت اور حکومت اور عزت مراد لی جاوے۔ تو منصف مزاج بتاویں۔ کہ اس میں کفر کی بات کیا ہے۔ بہشت کے متعلق جو قصّے مشہور تھے۔ کہ بہشت میں سونے۔ چاندی۔ یاقوت۔ ہیرہ۔ زمرد کے مکان ہونگے۔ اور ایک ایک مسلمان کو ستر حوریں اور غلمان ملینگے۔ اس عقیدہ کو بھی غلط

منوا دینے میں آریہ سماج نے اسلام کے بہت سے لوگوں کو گمراہی کے گڑھے سے نکالنے کا فخر حاصل کیا ہے۔ بہشت اور دوزخ کے بارے میں مرزا غلام احمد صاحب کا خیال ہے۔ کہ بدکاروں کے لئے جہنمی زندگی اسی جہان میں پوشیدہ طور پر ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے اپنے دوزخ کو اسی دنیا میں دیکھ لینگے۔ بلکہ اسلامی عقیدہ کے موافق انہی اعمال کے انعکسات ہیں۔ جو انسان اس دنیا میں کرتا ہے۔ شیطان کے وجود پر جیسا کہ اہل اسلام مانتے تھے۔ جب آریہ سماج کی طرف سے سینکڑوں اعتراضوں کی بھرمار ہوئی۔ تو بقول آنچہ دانا کند کند ناداں۔ لیک بعد خرابئے بسیار۔ بڑی جدو جہد کے بعد آریہ سماج کے عقیدہ کے قریب قریب یہ اصلاح کرنے پر مجبور ہوئے۔ کہ انسان میں کئی قسم کی قوتیں ہیں۔ چنانچہ اُن میں سے ایک قوت وہ ہے۔ جو انسان کو اچھے کام کرانے کی طرف راغب کرتی ہے۔ دوسرے وہ جو انسان کو بُرے کاموں کی طرف اُبھارتی ہے۔ اُن میں سے دوسری قوت کا نام شیطان ہے۔ سرسید احمد خاں وغیرہ نے ایسا ہی مانا ہے۔ حضرت عیسےٰ کے بارے میں اہل اسلام کے دو اعتقاد تھے۔ اوّل یہ کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ دوم یہ کہ وہ زندہ آسمان پر اُٹھ گئے۔ اس میں بھی بہت سے علماء اسلام نے آریہ سماج کو ہی اپنا اُستاد مانا۔ چنانچہ سرسید احمد خاں اور مرزا غلام احمد وغیرہ نے اس بارے میں بڑی مسبوط بحثیں کی ہیں۔ کہ حضرت عیسےٰ کا باپ تھا۔ اور وہ زندہ آسمان پر نہیں اُٹھائے گئے۔ کون کہتا ہے۔ کہ آریہ سماج زندہ سوسائٹی نہیں ہے۔ منصف مزاج اصحاب ملاحظہ فرمائیں۔ کہ آریہ سماج مسلمان جیسی ضدی سوسائٹی میں کیسا نمایاں کام کر رہی ہے +

ستیہ پال

# کچکول

## گوروکل کا سالانہ جلسہ

گوروکل کانگڑی کا پانچواں سالانہ جلسہ ماہ رواں کے ختم ہونے پر شروع ہوجائیگا۔ گوروکل کے "بن واسیوں" کو اپنے مہمانوں کے آرام کا فکر شروع فروری سے ہی لگ رہا ہے۔ اس دفعہ مہمانوں کے آرام کے لئے خاص طور پر ٹن شیڈ بنائے گئے ہیں۔ پختہ اینٹوں کے ستونوں اور جالی دار دیواروں پر خوبصورت لکڑی اور ٹین کی چادروں کی چھت بڑی آرام دہ ثابت ہوگی۔ ٹن شیڈ نصف دائرہ کی شکل میں آنند آشرم سے شروع ہوکر دھرم شالہ تک بنائے گئے ہیں۔ سامنے کی طرف وہ سرسبز وسیع میدان ہے۔ جس میں برہمچاری فٹ بال اور کرکٹ وغیرہ کھیلا کرتے ہیں۔ ٹن شیڈوں کے ہوجانے سے اب آگ کا خطرہ نہیں رہیگا۔ جس سال آگ کے لگنے کی وجہ سے جلسہ میں بگھن پڑگیا تھا۔ اسی سال ٹن شیڈوں کے لئے پانچ ہزار روپیہ کی اپیل کی گئی تھی۔ جس کا بہت سا روپیہ ابھی تک وعدوں کی شکل سے باہر نہیں آیا۔ اگر وہ تمام روپیہ وصول ہوگیا ہوتا۔ تو شاید ایک بھی چھپر بنانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ وصول شدہ روپیہ کے علاوہ گوروکل فنڈ سے بھی پانچ سو روپیہ کے قریب ان شیڈوں پر لگ چکا ہے مگر یاتریوں کے آرام کے لئے یہ ایک مستقل انتظام ہوگیا ہے۔ اگر دو ڈھائی ہزار روپیہ اور جمع ہوجائے۔ تو انتظام اور بھی خاطر خواہ ہوسکتا ہے۔ اور گوروکل کے سر پر سے ایک بوجھ تو کم از کم ہمیشہ

کے لئے دور ہو سکتا ہے۔ گورو کل دہارا گو فروری کے شروع میں خشک ہو گئی تھی۔ مگر نہر کے بند ہو جانے کی وجہ سے اس میں پھر بڑے زور کا پانی آ گیا ہے۔ امید ہے۔ کہ اگر جلسہ تک نہر بند رہی۔ تو یہ دہارا برابر جاری رہیگی ۔

## کرنل الکاٹ کی موت

تھیوصوفیکل سوسائٹی کے روح رواں کرنل ایچ۔ ایس الکاٹ صاحب کی روح اور جسم کی علیحدگی فروری کے دلخراش واقعات میں سے ایک اندوہناک واقعہ ہے۔ آپ ۱۷ فروری ۱۹۰۷ء کو تھیوصوفیکل سوسائٹی کے صدر مقام ایڈر واقع مدراس میں صبح کے سات بجے فوت ہوگئے۔ شام کے چار بجے آپ کی لاش کو داہ کیا گیا۔ گو تھیوصوفیکل سوسائٹی کے ہر ایک ممبر کی طرح کرنل الکاٹ "با مسلمان اللہ اللہ با ہندواں رام رام" کے قائل تھے۔ مگر پھر بھی وہ ایک کٹر بدھسٹ تھے۔ آپ کی زندگی ایک سبق آموز زندگی ہے۔ آپ ۱۸۳۲ء میں نیو جرسی واقعہ سلطنت متحدہ امریکہ میں پیدا ہوئے۔ زندگی کے ابتدائی زمانہ میں آپ کاشتکاری میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ پہلے کاشتکاری کے متعلق آپ نے ایک خاص کتاب لکھی۔ جس کی وجہ سے آپ کو ایتھنز کی یونیورسٹی کی طرف سے "چیئر آف ایگریکلچر" منظور کرنے کے لئے درخواست کی گئی۔ مگر آپ نے اُس کو نامنظور کیا۔ ۱۸۵۸ء میں آپ کاشتکاری کے متعلق زیادہ تحقیقات کرنے کے لئے یورپ گئے ۔ اپنی تحقیقات کو اخبارات میں شائع کیا۔ اُن مضامین کو یورپ اور امریکہ کے متعدد اخبارات نے بڑے شوق سے شائع کیا۔ آپ کی شہرت اس سے اور بھی دوبالا ہو گئی۔ بعد ازاں جب امریکہ کی شمالی اور جنوبی ریاستوں میں جنگ چھڑی۔ تو آپ شمالی ریاستوں کی طرف سے بطور ایک سپاہی کے بھرتی ہو گئے۔ انہی دنوں میں شمالی ریاستوں کے اندر بھی بدامنی پھیل گئی۔ آپ نے اس بدامنی کو فرو کرنے کے لئے اس قدر سرگرمی سے کام کیا۔ کہ حکام اعلےٰ

نے آپ کی خدمات کے صلے میں آپ کو اعلےٰ اعلےٰ اسنادات عطا کیں۔ بعد ازاں آپ محکمہ جنگ کے خاص کمشنر مقرر ہوکر کرنل الکاٹ بنے۔ ان ہی دنوں میں "نیویارک سن" اور "نیویارک گریفک" کے ایڈیٹروں نے آپ کو ایڈیلیس فلادم میں اس بات کی رپورٹ کرنے کے لئے بھیجا۔ کہ وہاں جو بھوتوں کا شور مچ رہا ہے۔ وہ کیا معنی رکھتا ہے۔ وہ ابھی یہ تحقیقات کر ہی رہے تھے۔ کہ اتنے میں "بھوت" مہاتماؤں کا پیغام لیکر میڈم بلوسٹکی صاحبہ ان کو ڈھونڈتی ہوئیں وہاں جا نکلیں۔ بھوتوں کے بارے میں جو تحقیقات آپ نے اخبارات میں شائع کی۔ اس سے ایک عام تھلکہ مچ گیا۔ کرنل الکاٹ اور میڈم صاحبہ نے اس جوش کا فائدہ اُٹھانے کے لئے خاص سوسائٹی قائم کی۔ جس کا نام تھیوصوفیکل سوسائٹی رکھا گیا۔ اس کے بعد کرنل صاحب نے سرکاری نوکری کو خیر باد کہدیا۔ اور میڈم صاحبہ کے ساتھ سوسائٹی کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ دونوں اصحاب بھوت ودّیا کا پرچار کرتے ہوئے یورپ میں پہنچے۔ وہاں سے مختلف ملکوں میں چکر لگاتے ہوئے ۱۸۷۸ء میں ہندوستان میں وارد ہوئے۔ اُن دنوں میں رشی دیانند کے بجلی بھرے لیکچروں نے تمام آریہ ورت میں عموماً اور ہندو سوسائٹی میں خصوصاً ایک تھلکہ مچا رکھا تھا۔ کرنل صاحب نے موقع کو غنیمت جان کر رشی کے چرنوں میں بیٹھ کر برھم ودیا کی تحصیل کی ایستدعا کی کچھ دیر تک تو سیدھے چلے۔ مگر بعد میں جب رشی کو پتہ لگ گیا۔ کہ یہ توہمات کا پرچار کر رہے ہیں۔ اُن کو اپنے سے الگ کر دیا۔ اب کرنل صاحب کو لنکا میں اپنے کام کے لئے وسیع میدان نظر آیا۔ فوراً بدھوں کا جامہ پہنکر کام کرنے لگ گئے۔ اس پہلو میں اُن کو خاطر خواہ کامیابی نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ اب تھیوصوفیکل سوسائٹی کی طرف سے لنکا میں بدھوں کے لئے ۳ کالج اور ۲۰۵ سکول قائم ہیں۔ جن میں تین ہزار کے قریب بچے تعلیم پاتے

ہیں۔ کرنل اور میڈم کی لگاتار کوششوں اور مسز اینی بیسنٹ اور دیگر بھگتوں کی سر توڑ محنت کا نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ اس وقت دنیا کے تقریباً تمام حصّوں میں تھیوصوفیکل سوسائٹی کی ۸۹۳ شاخیں قائم ہیں۔ کرنل صاحب مسز اینی بیسنٹ صاحبہ کو اپنا جانشین مقرر کر گئے ہیں۔ تھیوصوفیکل سوسائٹی کے بانیوں کی زندگی کا مطالعہ انسان کو اس نتیجہ پر پہنچانے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ دنیا میں کامیابی کا راز ہر ایک قسم کی مخالفتوں سے بچتے ہوئے جیسا دیس ویسا بھیس بنانے پر منحصر ہے +

## گورنمنٹ کی بیجا سختی

لاہور کے "پنجابی" اخبار کے مالک وایڈیٹر پر زیر دفعہ الف ۱۵۳ گورنمنٹ کی طرف سے مقدمہ چلایا گیا تھا۔ جس کی بنا یہ تھی۔ کہ "پنجابی" نے ایک شخص مسمی "رفعت علی" کو انگریزی شکاریوں کی بندوق کا نشانہ بنائے جانے کا "بے بنیاد واقعہ" شائع کر کے انگریزوں اور دیسیوں میں عداوت ڈلوانے کی کوشش کی تھی۔ مقدمہ کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ "پنجابی" کے مالک کو گورنمنٹ نے ازراہ "ترحم" دو سال کی سنگین قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا کی۔ اور اُس کے ایڈیٹر کو ۶ ماہ کی سنگین قید اور دو سو روپیہ جرمانہ کی سزا جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں اول الذکر کو ۷ ماہ کی زاید قید اور موخر الذکر کو ۳ ماہ کی زائد قید ہو۔ اگر ہم یہ بھی مان لیں۔ کہ ملزموں نے اپنے دعوے کی تائید میں جو جو ثبوت پیش کئے ہیں۔ وہ ایسے ہی ہیں۔ کہ جو واقعہ زیر بحث کو صحیح ثابت نہیں کر سکتے۔ تو بھی ہمیں کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ کہ اس ذرا سی بات کو گورنمنٹ نے انگریزوں اور دیسیوں کے درمیان عداوت کا مبدا کیونکر گردان لیا۔ حالانکہ اسی قسم کے واقعات نادرات میں سے نہیں ہیں۔ اس پر بھی اگر ہم یہ فرض کر لیں۔ کہ "پنجابی" کی تحریر سے انگریزوں اور دیسیوں کے درمیان کسی قسم کی شکر رنجی کا امکان ضرور ہوا۔ جس کو فرو

کرنے کے لئے گورنمنٹ اس کے بانیوں کو اس قدر سخت سزا دینے کے لئے
مجبور ہوئی - جو کہ بیجا سختی کی حد سے گذر کر "بے انصافی" کے لگ بھگ پہنچی
ہوئی ہو - ویسے تو خود مجسٹریٹ نے اس واقعہ کو قانون کی زد میں
لاکر ایک ایسا فیصلہ کیا ہے - جو کہ گورنمنٹ کی رعایا کے ایک بڑے
بھاری حصہ کو گورنمنٹ کا شاکی بنانے کا موجب ہو - ہمارے خیال
میں "پنجابی" کی تحریر انگریزوں اور دیسیوں میں باہمی شکر رنجی کا اس قدر
باعث ثابت نہیں ہوئی ہوگی - جس قدر کہ گورنمنٹ کا اس پر فیصلہ دینا
باہمی شکر رنجی کا موجب ثابت ہو رہا ہے - گورنمنٹ کا یہ فیصلہ کسی صورت
میں دور اندیشی پر مبنی نہیں کہا جا سکتا - بلکہ یہ ایسا فیصلہ ہے - جس سے
اصلی مطلب بالکل فوت ہو گیا ہے - گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کی ہر
ایک حرکت اُن لوگوں سے جو کہ گورنمنٹ کے خیر خواہ ہیں - سخت نفرت کی
نگاہ سے دیکھی جانی چاہیئے ✣

## تریاق

ہم کسی دوسری جگہ پر آگ سے جلنے کا تھوڑا سا بیان
دے چکے ہیں - ہم یہ مضمون ابھی لکھ ہی چکے تھے - کہ ہم
خود غلطی سے آگ سے ہاتھ جلا بیٹھے - ہمیں نہیں معلوم کہ ڈاکٹر لوگ آگ
سے جلے کا کیا علاج بتاتے ہیں - اور وہ کہاں تک زود اثر ہوتا ہے - لیکن
جو علاج ہم یہاں پر درج کرنا چاہتے ہیں - وہ نہایت ہی مختصر - نہایت
ہی آسان اور نہایت ہی زود اثر ہے - ہمارے دائیں ہاتھ کی ایک انگلی
اور انگوٹھا دونوں اس قدر جل گئے تھے - کہ ہمیں اندیشہ تھا - کہ شاید کئی
ہفتوں تک لکھنے کا کام نہیں ہو سکیگا - ہمارے ہاں نتھور کے رئیس
چوہدری بدھن سنگھ جی جو بڑے سن رسیدہ اور تجربہ کار ہیں - گورو کل میں
آجکل بھنڈار کے انچارج ہیں - ہاتھ جلا کر ہم سیدھے اُن کے پاس بھاگے
گئے - کیونکہ ہمیں معلوم تھا - کہ بوڑھوں کے پاس کوئی نہ کوئی "ٹوٹکا" ضرور

ہوتا ہے۔ رات کا وقت تھا۔ آپ نے اُسی وقت ایک چیز زمین پر پانی ڈال کر رگڑی۔ اور جلی ہوئی اُنگلی اور انگوٹھے پر لگا دی۔ منٹ تو کیا تین چار سیکنڈ کے اندر ہی ایسا معلوم ہؤا۔ کہ گویا کبھی ہاتھ جلا ہی نہیں تھا۔ نہ آبلا پڑا۔ نہ سوزش رہی۔ معاملہ صاف ہوگیا۔ جانتے ہو۔ یہ کیا تریاق تھا؟ معمولی آلو!!!

## شاہ کابل

امیر کابل یا شاہ کابل ہندوستان میں دورہ کر رہے ہیں۔ آپ محض سیر کی غرض سے ہندوستان میں نہیں آئے۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہئے۔ کہ بطور ایک طالب علم کے وہ یہاں سے کچھ سیکھ کر واپس جانا چاہتے ہیں۔ یہاں سے واپس جاکر وہ اپنے ملک میں کیا کیا تعلیمی۔ مالی اور فوجی اصلاحیں کرینگے۔ اُن کا پتہ چند ہی سال میں لگ جائیگا۔ امیر صاحب جن باتوں کو اپنے ہاں جاری کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کا بڑے غور وخوض سے ملاحظہ کرتے ہیں۔ نوشہرہ میں سر جیمس ولکاکس کے ماتحت فوج کی پریڈ کو آپ نے بڑے غور سے دیکھا۔ راولپنڈی میں جب مسلح فوج آپ کے سامنے سے سلامی دیتی ہوئی گزری۔ تو امیر صاحب توپخانہ کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے آپ نے خواہش ظاہر کی۔ کہ ہمیں توپخانہ کو بغور ملاحظہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ مشین گن کا آپ نے بڑے غور سے ملاحظہ کیا۔ اُس کو بھرنے۔ چلانے اور لوٹانے کے تمام طریقے پوچھے۔ بلکہ اپنے سامنے چلوا کر بھی دیکھا۔ اور بہت خوش ہوئے۔ جب ٹرین اٹک برج پر پہنچی۔ تو آپ نے اٹک کے پُل کو بغور دیکھنے کے لئے ٹرین ٹھیرائی۔ پُل کی اونچائی۔ اس میں مختلف قسم کی کاریگری اور مضبوطی کا اچھی طرح معائنہ کیا۔ یہاں تک کہ پُل کے پایوں تک کو بھی دیکھا۔ ۱۳۔ جنوری کو آپ نے آگرہ میں فوج کے ریویو کا ملاحظہ کرکے جرنیل گیسلی سے کہا۔ میں آپ کی فوج کی تکمیل کو دیکھ کر بہت خوش ہؤا ہوں۔ بطور ایک سپاہی کے اُن کی تکمیل اور اُن کا سازوسامان میرے لئے خاص دلچسپی کا موجب ہے۔ مگر میرے خوش ہونے کی ایک اور

وجہ بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ یہ فوج میرے دوستوں کی ہے۔ اپنے دوستوں کی فوج کی تکمیل میرے لئے ایک خاص دلچسپی رکھتی ہے۔ آپ نے یہ بھی خواہش ظاہر کی۔ کہ اُن کو گھوڑوں وغیرہ کے لئے چمڑے کا سامان تیار کرنے والی فیکٹری کا بھی ملاحظہ کروایا جاوے۔ علیگڈھ کالج کے طریقہ تعلیم کو آپ نے بہت پسند کیا۔ علیگڈھ کالج کے طلبا سے آپ نے جو جو سوالات کئے اور جس طرح پر بال کی کھال اتاری۔ اور دینی معاملات میں جس قدر تفتیش کی۔ اس کو دیکھ کر ہنری میکمیہن صاحب ان کو بے اختیار ایک کٹّر "ملّاں" بول اٹھے۔ امیر نے برجستہ جواب دیا۔ کہ میں تین چیزیں ہوں۔ اوّل بادشاہ۔ دوم سپاہی۔ سوم ملّاں۔ علیگڈھ کالج کو بیس ہزار روپیہ نقد اور چھ ہزار روپیہ سالانہ کی امداد کے علاوہ آپ نے کالج کے حسن انتظام میں جو کلمات کہے اور لکھے وہ کالج کے لئے نعمت غیر مترقبہ سمجھنے چاہیں۔ اُنھوں نے اس بات کا بڑے زور سے اظہار کیا۔ کہ انگریزی تعلیم بچوں کو دین سے منحرف نہیں کرتی۔ انگریزی تعلیم ضرور حاصل کرنی چاہئے۔ اثناء بات چیت میں آپ نے حبیبیہ کالج کابل کا ذکر کیا۔ جو کہ علیگڈھ کالج کے نمونہ پر بنایا جاویگا اور سکرٹری سے درخواست کی۔ کہ وہ اپنے کالج کے چند طلبا کابل میں بھیجتے رہیں۔ اور حبیبیہ کالج کے چند طلبا ادھر آتے رہیں۔ تاکہ دونوں کالجوں کے درمیان رشتہ اتحاد قائم ہو جائے۔ کلکتہ میں دیگر باتوں کے علاوہ آپ نے کاشی پور کے کارخانہ اسلحات کا بھی بغور مطالعہ کیا۔ مگر افسوس ہے۔ کہ جس شوق سے وہ کلکتہ کے بینا بازار سے چیزیں خریدتے رہے۔ اس شوق سے وہ کاشی پور کے کارخانہ سے نئی قسم کے اسلحہ نہ خرید سکے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ امیر صاحب موصوف بہت جلدی ہی اپنے تجربات سے فائدہ اُٹھا کر افغانستان کو جاپان ثانی بنا دینگے۔ امیر صاحب کی آمد سے اہل ہند کو بھی ایک بڑا بھاری فائدہ ہوا ہے۔ وہ یہ کہ ہندو مسلمانوں کے باہمی تعلقات جو بعض مقامات

پر بہت کشیدہ ہو چکے تھے۔ بہت کچھ سُلجھ گئے ہیں۔ مگر یہ بات خود غرض
انگلو انڈین کی نظروں میں خار مغیلاں کی طرح کھٹک رہی ہے۔ کیونکہ اُن کا
شروع ہی سے یہ وطیرہ رہا ہے۔ کہ جس طرح ہو۔ ہندوؤں اور مسلمانوں
میں اس آگ کو بھڑکایا جاوے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ پائونیر جیسے متعصب اخبارات
گائے کشی وغیرہ کے بارے میں بعض اوقات شرارت اور شرر انگیز تحریریں
لکھ کر سوئے ہوئے فتنہ کو دوبارہ جگانے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ کچھ
ہی ہو۔ سوائے انگلو انڈین کے امیر صاحب کی سیر کیا امیر صاحب کے اپنے
لئے۔ کیا افغانستان کے لئے اور کیا اہل ہند کے لئے خالی از فائدہ نہیں
ہوگی۔ خاص کر ترقئ افغانستان کے لئے تو وہ بہت کچھ مصالح جمع کر لے
جائینگے۔ امیر صاحب نے پہلے ہی سے افغانوں کی تعلیم کے لئے جو سکیم بنا
چھوڑی ہے۔ وہ حیرت انگیز نتائج پیدا کرنے کے بغیر نہیں رہیگی۔ ڈاکٹر
عبد الغنی صاحب بی۔ اے وہاں کے محکمہ تعلیم کے ڈائرکٹر ہیں۔ آپ نے
تمام افغانستان کو تعلیمی سہولیت کے لئے چالیس ضلعوں میں بانٹ دیا ہے
ہر ایک ضلع میں پرائمری سکول ہونگے۔ لڑکوں کو ٹیکنیکل اور آرٹ تعلیم کے
لئے جاپان وغیرہ بھیجنے کا ذمہ گورنمنٹ کابل نے لیا ہے ❖

## سوئی کا کام

معمولی باتوں میں لاپرواہی کرنے سے غیر معمولی
نتائج پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جن عورتوں یا مردوں
کو سینے پرونے یا اس قسم کے دوسرے کام کرنے پڑتے ہیں۔ جن پر کہ متواتر
نظر لڑانی پڑتی ہو۔ اُن کی آنکھ لگاتار محنت کرنے سے تھک جاتی ہے۔ اور
بعض دفعہ جب وہ اپنے کام پر سے آنکھیں ہٹا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگتے
ہیں۔ تو اُن کی آنکھوں کے سامنے دُھندلا پن چھا جاتا ہے۔ اگر آنکھ سے
مدت تک اسی طرح محنت لی جاوے۔ تو آنکھ نکمّی ہو جاتی ہے۔ پھر بڑے
سے بڑا علاج بھی کچھ سود مند ثابت نہیں ہوتا۔ اس قسم کا کام کرنیوالی

عورتوں یا مردوں کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے کام پر سے نظر اُٹھا کر کسی ایسی چیز کی طرف دیکھ لیا کریں۔ جس میں مختلف رنگ بھرے ہوئے ہوں۔ یا کسی دور کی چیز پر ہی نظر جما لیا کریں۔ اس سے آنکھ کو ایک ہی قسم کی محنت سے کسی قدر سبکدوشی نصیب ہو جاتی ہے۔ اور وہ از سر نو کام کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ اگر کام کرنے والے کمرے میں رنگدار تصویریں یا بیل بوٹے موجود ہوں۔ تو اُن پر ہی نظر ڈالتے رہنا چاہیئے +

## شاہ کجکلاہ

فارس کے ہر دلعزیز بادشاہ مظفرالدین شاہ ۹۔ جنوری کی رات کو اپنا جسمانی چولا اُتار گئے۔ مرحوم میں بہت سی خوبیاں ایسی تھیں۔ جو عموماً مسلمان بادشاہوں میں کم پائی جاتی ہیں۔ فارس میں شیعوں کا زور ہے۔ اور مُلّاں لوگ پلیگ کی طرح ملک کو تباہ کر رہے ہیں۔ مگر ان پر مرحوم نے جس طرح اپنا سکّہ بٹھایا۔ وہ ان کا ہی کام تھا۔ آپ ۱۸۵۳ء میں پیدا ہوئے تھے۔ گو شروع عمر میں ہی ان کے والد بزرگوار نے ان کو آذربائیجان کا گورنر مقرر کر کے تبریز روانہ کر دیا تھا۔ مگر اُن کو گذارہ کے لئے اس قدر کم وظیفہ ملتا تھا۔ کہ ان کو وزیر نظام سے چالیس ہزار تومان سالانہ لینا پڑتا تھا۔ مگر انہوں نے اپنے والد کے برخلاف کبھی کوئی شکایتی کلمہ نہیں نکالا۔ آپ پرماتما پر پورا وشواش رکھتے تھے۔ اُن کا ایک بڑا بھائی ظل السلطان تھا۔ دونوں ابھی بچے ہی تھے۔ کہ ایک دن ناصرالدین شاہ نے اُن سے پوچھا۔ کہ بھلا اگر میں آج مر جاؤں۔ تو تم تخت کو حاصل کرنے کے لئے کیا کیا کوشش کرو گے؟ بڑے بھائی نے تکبّر سے جواب دیا۔ کہ میں تلوار کے زور سے تخت پر قبضہ کر لونگا۔ مگر مظفرالدین نے بڑی انکساری سے سر جھکا کر کہا۔ کہ تختِ فارس اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہیگا۔ دیدیگا۔ میں تو یہی کر سکتا ہوں۔ کہ اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کی مرضی کے سپرد کر دوں۔ باپ نے بڑے بیٹے کی طرف

سے منہ پھیر کر مظفرالدین کو کہا۔ "مجھے یقین ہے۔ کہ میرے بعد تم ہی تخت کے وارث ہو گے" چنانچہ جب ناصرالدین شاہ ۱۸۹۶ء میں قتل کیا گیا۔ تو تمام امیروں وزیروں اور دول خارجہ کے سفیروں کی اتفاق رائے سے مظفرالدین کو ہی بادشاہ تسلیم کیا گیا۔ چونکہ مظفرالدین ملانوں کا زور توڑنا چاہتا تھا۔ ایک دفعہ تمام ملانوں نے جمع ہو کر شاہ کو یہ دھمکی دی۔ کہ ہم کربلا شریف میں چلے جائینگے۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ ہم سلطان روم کی پناہ لینے پر مجبور ہونگے۔ کیونکہ کربلا جو کہ شیعوں کا مکہ سمجھنا چاہیئے۔ سلطان روم کے ہی قبضہ میں ہے۔ بجائے اس کے کہ بادشاہ اُن کی دھمکی سے ڈر جاتا۔ اُس نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ کہ "اچھا۔ کربلا میں جا کر ہمارے لئے بھی دعائے خیر کرنا" وہ سب دم بخود ہو گئے۔ مرحوم کو تواریخ۔ سائنس اور مغربی علم ادب کا خاص شوق تھا۔ بہت سا وقت اخبار بینی میں گذارہ کرتے تھے۔ فرانسیسی زبان کے ماہر تھے۔ بلّیوں سے آپ کو خاص پیار تھا۔ جہاں کہیں کوئی رنگ دار بلّی دیکھتے تھے۔ بڑی سے بڑی قیمت دیکر بھی اُس کو خرید لیتے تھے۔ آپ نے اپنی دس سالہ حکومت کے عرصہ میں فارس میں کئی ایک عمدہ عمدہ اصلاحیں کیں۔ فارس میں اہلکاروں کو تنخواہ تو برائے نام ملتی تھی۔ مگر اُن کو رشوت ستانی کے تمام مواقع حاصل تھے۔ نہ ہی وہ لوگ تنخواہ کی اس قدر پرواہ کرتے تھے۔ جس قدر کہ اُن کو "مداخل" کا خیال تھا۔ "مداخل" اُن کے ہاتھ میں رشوت ستانی کا عمدہ ہتیار تھا۔ وہ اس کے بہانہ سے زمینداروں اور دوسرے ماتحتوں سے بڑی سے بڑی رقوم حاصل کر لیتے تھے۔ رشوت کا بازار صرف ادنےٰ درجے کے اہلکاروں میں ہی گرم نہیں تھا بلکہ تمام صیغوں میں یہی حال تھا فوج کے جرنیل کرنیلوں سے رشوت لیتے تھے۔ کرنیل میجر سے اور میجر کپتان سے کپتان لفٹنٹ سے۔ لفٹنٹ عام سپاہیوں۔ عام سپاہی لوگوں پر ظلم

کرتے تھے۔ اسی طرح خانگی نوکروں کا حال تھا۔ مگر مظفرالدین شاہ نے بڑے استقلال سے اس مذموم طریقہ کی بیخکنی کی۔ رعایا کو آرام ملا۔ وہ بڑا فیاض۔ عالی حوصلہ۔ وفادار۔ بےغرض۔ نکتہ رس۔ معاملہ فہم۔ خداترس اور خداپرست تھا۔ اس کی فیاضی بعض دفعہ اسراف کے درجہ تک پہنچ جاتی تھی۔ ایک دفعہ چندہی ماہ میں اُس نے وہ تمام روپیہ جو کہ سلطنت فارس کی ایک سالہ آمدنی تھی۔ یوں ہی داد و دہش میں اڑا دیا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ وہ روپیہ کے لحاظ سے اکثر تنگ رہتا تھا۔ اور اُس کو دول خارجہ سے قرض لینا پڑتا تھا۔ مگر باوجود ان باتوں کے اُس نے رعایا کے دل میں گھر کیا ہُوا تھا۔ اُس کا مرتے دم کا کام اُس کی یادگار قائم رکھنے کے لئے کافی ہے۔ وہ یہ کہ فارس کو پارلیمنٹ دیے گئے۔ اگر مرحوم کے جانشین مرزا محمد علی شاہ اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے گئے۔ تو ممکن ہے۔ فارس کی حالت سدھر جائے۔ ورنہ اس وقت فارس کی حالت ٹرکی سے بھی بدتر ہو رہی ہے +

## چین کی بیداری

جاپان نے اپنا اثر چین پر ڈال دیا ہے۔ چین ہر ایک معاملہ میں ہوشیار ہو رہا ہے۔ علاوہ دیگر اصلاحوں کے گورنمنٹ چین نے افیون کی طرف خاص توجہ مبذول کی ہے۔ جیسے شراب انگلینڈ کی گھٹی میں ملی ہوئی ہے۔ ویسے ہی افیون نے چین کو صدیوں سے غلام بنا رکھا تھا۔ اب چینی گورنمنٹ نے اس بارے میں خاص احکام جاری کئے ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں :-

**اوّل**۔ نہ صرف پوست کی پیداوار بلکہ افیون کا استعمال بھی دس سال کے اندر اندر قطعی ترک ہو جانا چاہئے۔ پوست کی پیداوار کے لئے کوئی نئی زمین استعمال نہ کی جاوے۔ جہاں جہاں اس وقت پوست بویا جاتا ہے۔ وہاں بھی زمین فقط دسواں حصہ پوست کے لئے دی جاوے +

**دوم**۔ حکامِ بالا کو چاہئے۔ کہ وہ افیون کھانے والوں میں سستے ہموں

یا بالکل مفت ایسی دوائیاں تقسیم کریں۔ جو افیون کا بدل ثابت ہو سکیں۔ اور جن سے افیون کا استعمال چھوٹ جائے۔ اس قسم کے کسی نسخہ میں بھی افیون یا افیون کا ست استعمال نہ کیا جاوے +

**سوم۔** حکام بالا کو پہلے خود افیون کی عادت ترک کر کے مثال قائم کرنی چاہیئے۔ جن کی عمر ساٹھ سال سے اوپر ہے۔ اُن کے ساتھ ذرا نرمی سے سلوک کیا جاویگا۔ مگر وہ تمام افسر۔ شہزادے۔ ڈیوک۔ وائسرائے اور تاتاری جرنیل جن کو افیون کھانے کی عادت ہے۔ شہنشاہ کے ہاں باقاعدہ رپورٹ کریں۔ کہ آیا وہ ایک مقررہ عرصہ کے اندر اندر اس عادت کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں یا نہیں۔ اگر وہ تیار ہوں۔ تو اس کو چھوڑنے کی کوشش کریں۔ اور اس اثنا میں اُن کی جگہ کوئی دوسرا شخص کام کریگا۔ لیکن جب وہ افیون ترک کر دیں۔ تو وہ اپنے عہدے پر واپس آ سکتے ہیں۔ باقی کے تمام افسر جن کی عمر ساٹھ سال سے کم ہے۔ خواہ اُن کو افیون کی کیسی ہی سخت عادت کیوں نہ ہو۔ چھ ماہ کے اندر اندر اس کو ترک کر دیں +

**چہارم۔** تمام اُستادوں۔ طالب علموں۔ سپاہیوں اور جہازرانوں کو خواہ اُن کا عہدہ کسی قسم کا ہو۔ یہ حکم دیا جاتا ہے۔ کہ وہ تین ماہ کے اندر اندر افیون کھانا ترک کر دیں + جہاں گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے احکام جاری ہوں۔ وہاں بیداری کیوں نہیں ہوگی +

## سر درد

سر درد کی وجوہات کیا ہیں؟ اس کو تو جانے دیجیئے۔ ڈاکٹر لوگ سر درد میں کیا نسخہ بتاتے ہیں۔ یہ بھی مہنگی بات ہے۔ مگر ایک میڈیکل میگزین سر درد کا نہایت ہی آسان نسخہ یہ بتاتا ہے۔ کہ جب ہی سر میں درد ہونے لگے۔ فوراً پٹھوں سے کوئی سخت کام لینے لگ جاؤ۔ اس کے لئے ٹانگوں کے پٹھے عین مناسب ہیں۔ یا تو تھوڑی دور تک بھاگ لو۔ یا تیزی سے سیر کر لو۔ یا کچھ دم "اٹھک بیٹھک"

نکال لو۔ وہ اُس کی وجہ یہ بتاتا ہے۔ کہ پٹھوں کے حرکت کرنے سے دوران خون بجائے سر کی طرف رجوع کرنے کے اس طرف رجوع کرنے لگ جائیگا۔ اور سر درد دور ہو جائیگا۔ اسی طرح ایک شخص نے اپنے تجربہ کی بنا پر یہ ظاہر کیا ہے۔ کہ ہچکی کا آسان علاج یہ ہے۔ کہ زور زور سے سانس لیا جاوے۔ گو شخص مذکور اس عمل کو نہیں سمجھا۔ مگر ڈیپ بریدنگ یا پرانایام سے نہ صرف ہچکی ہی دور ہو سکتی ہے۔ بلکہ سر درد کو بھی آرام ہو جاتا ہے ؎

## پلیگ رپورٹ

مدت کی چھان بین کے بعد رائل کمشین نے پلیگ کے بارے میں اپنا آخری فیصلہ دیدیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ پلیگ چوہوں اور پسوؤں سے پھیلتی ہے۔ اگر چوہے اور پسو نہ ہوں۔ تو پلیگ کا اندیشہ نہیں رہتا۔ کمیشن نے یہ بھی رپورٹ کی ہے۔ کہ اس وقت تک پلیگ زدہ گھروں یا علاقوں کو مختلف قسم کے ڈس انفکٹ سے صاف کرنے کے تمام وسائل ناکامیاب ثابت ہوئے ہیں۔ کیونکہ اس قسم کے صفائی کے عمل کا اثر چوہوں پر بالکل نہیں ہوتا۔ اگر چوہوں کو ڈس انفکٹ کیا جاسکے۔ تو شاید پلیگ نہ بڑھے۔ مگر چونکہ چوہے ڈس انفکٹ نہیں کئے جاتے۔ اور اُن میں پسو برابر موجود رہتے ہیں۔ اس لئے ڈس انفکٹ کرنے سے دیگر امراض کے جرمز تو تباہ ہو جاتے ہیں۔ مگر پلیگ جرمز پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اس کے لئے آسان ترکیب یہی ہے۔ کہ چوہوں کو مار دیا جاوے۔ پلیگ کا خاتمہ ہو جائیگا۔ چوہوں کے مارنے کے لئے ایک شخص نے مُوشی سائڈ یا موش کُش دوائی بنائی ہے۔ دیکھنا چاہئے۔ کہ اس نئی تھیوری کا کیا نتیجہ نکلتا ہے +

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن + آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

قیمت سالانہ عمر

ضخامت ۱۲ صفحہ

# سادھو

## مذہب فلسفہ تواریخ و علم اخلاق کا ماہوار ضخیم رسالہ

سادھو کی غرض یہ ہوگی - کہ پڑھنے والوں کو باقاعدہ ست سنگ کا فائدہ حاصل ہو - اس میں جو مضمون درج ہونگے - وہ بیشتر یوگ سانکھیہ ویدانت - تصوف اور ایشور پریم سے متعلق ہونگے - ہر نمبر میں چار پانچ دلچسپ تواریخی کہانیاں ہونگی - جن کا مقصد مطالعہ کرنے والوں کا مذہبی و اخلاقی پہلو درست کرنا ہوگا - اس کی پالیسی مرنجان ومرنج ہوگی - ہر ملت و مذہب کے آدمی اس سے یکساں فائدہ اُٹھا سکینگے - بشرط ممکن کبھی کبھی زمانہ حال کے مشہور سادھوؤں کی عکسی تصویریں دی جایا کرینگی - ایک ہزار درخواست آنے پر نکلیگا - جن کو سادھو کی خواہش ہو جلد درخواست بھیجیں +

# شیوبرت لال ایم - اے

## ایڈیٹر سادھو - لاہور

پنجاب اکانومیکل پریس لاہور